TQ Class Lesson 46 Surah Al-Imran 121-143 Tafseer

تفسیر سورۃ آل عمران 121-143

سورہ آل عمران کی آیت نمبر 121 سے چوتھی تقریر اور چوتھا خطبہ شروع ہوتاہے ۔اور اس میں غزوۂ احد سے متعلق جتنے اہم واقعات ہیں ۔ان میں سے ایک ایک کو لے کر جچے تلے الفاظ میں اللہ رب العزت نے تبصرہ کیا ہے ۔اور اس تبصرے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ غزوۂ احد کے پس منظر کو اور غزوۂ احد کو سمجھا جائے۔ اس کے لیے تجلیات نبوت و مہر نبوت مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کی ہے۔غزوۂ احد کا پس منظر میں آپ کے سامنے پیش کرتی ہوں ۔

غزوۂ احد شوال 3 ہجری میں پیش آئی۔ قریش ابھی غزوۂ بدر کے انتقام کی تیاری کر رہے تھے ۔کہ مقام عروہ میں ان پر ایک اور مار پڑ گئی۔ اس سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا ۔اور انہوں نے تیاری کی رفتار اور تیز کر دی ۔غزوۂ بدر میں کس کو فتح ہوئی تھی؟مسلمانوں کو ہوئی تھی۔ اور تعداد کس کی زیادہ تھی؟ کافروں کی۔ مشرکین نے ابابیش کو بھرتی کیا جو مختلف لشکروں کو ترغیب و تحریص کے لیے (ترغیب ،رغبت دلانا تحریص، حرص یعنی لالچ) ترغیب و تحریص کے لیے کچھ شاعر خاص کیے ۔یہاں تک کہ تین ہزار فوجیوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔ جس کے پاس تین سو اونٹ دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں۔ اس لشکر کے ساتھ کئی عورتیں بھی تھیں جن کا کام جنگ کے لیے بھڑکانہ اور جوش و بہادری کی روح پھونکنا تھا۔ اس کا سپہ سالار ابو سفیان تھا۔ اور علمبردار بنی عبد الدار کے بہادر (علمبردار کے کیا معنی ہیں؟ جن کے پاس جھنڈا ہے۔ قریشیوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ کافر تھے ان کے لوگ جھنڈے کی حفاظت کرتے تھے۔) ایک ایک کر کے یہ لشکر غیض و غضب سے بھرپور مدینہ کے اطراف میں پہنچا اور جبلِ عینین اور احد کے قریب وادیِ قنات کے دامن میں ایک کھلے میدان کے اندر ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور تین ہجری اور شوال کی 6 تاریخ ادھر رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی آمد سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے خبر ہو چکی تھی۔ اور آپ ﷺ نے ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مدینہ کی حفاظت کے لیے حفاظتی دستے وہ جو چکر لگاتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی دشمن تو نہیں آرہا کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے- پھر جب لشکر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے دفاع کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو جائیں۔ مرد گلی کوچوں کے ناکوں پر لڑائی کریں اور عورتیں گھر کی چھتوں سے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے موافقت کی ۔رئیس کے کیا معنی ہیں؟ رئیس سردار کو کہتے ہیں **راس** سے ہے۔جیسے سر تو جیسے جسم کا جو سردار ہے جسم میں جو چیز ا ہم ہے۔وہ سر ہے۔گویا وہ چاہتا تھا ۔کہ گھر ہی بیٹھا رہے اور جنگ سے پیچھے رہنے کی تہمت بھی نہ لگے ۔لیکن جوانوں نے جوش دکھایا اور کھلی جگہ دو دو ہاتھ کرنے پر اصرار کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی رائے مان لی ۔اور لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ تین دستوں میں **ایک** دستہ مہاجرین کا جس کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے ۔**دوسرا** قبیلہ اوس کا جس کے علمبردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے ۔اور **تیسرا** خزرج کا جس کے علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔ (علمبردار کہتےہے کہ جھنڈا تھامے ہوئے) پھر عصر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے جبلِ احد کا رخ کیا۔ اور مقامِ شیخین پر پہنچ کر لشکر کا معائینہ کیا ۔جو چھوٹے تھے انہیں واپس کر دیا۔ البتہ رافع بن حضیر رضی اللہ عنہ کو چھوٹے ہونے کے باوجود اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ وہ تیر چلانے کے ماہر تھے۔ اس پر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں اسے پچھاڑ سکتا ہوں یعنی شکست دے سکتا ہوں آپ ﷺ نے دونوں میں کشتی کرائی اور واقعی

سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا شکست دے دی ہرا دیا۔اس طرح سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت مل گئی۔ مقامِ شیخین ہی میں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں ۔اور وہیں رات گزاری اور لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس پہرے دار مقرر کئے۔ پھر آخری رات یعنی آخیر رات میں فجر سے پہلے کوچ کر گئے ۔کوچ سے مرادچل پڑے۔ اور شعب نامی ایک جگہ پر فجر کی نماز پڑھی ۔یہی عبداللہ بن ابی نے بغاوت کی اور اپنے300 ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا ۔اس کی وجہ سے بنو سلمہ اور بنو حارثہ میں بھی ضعف کی لہر دوڑ گئی ۔اور قریب تھا ۔کہ یہ دونوں گروہ بھی پلٹ جاتے ۔لیکن پھر اللہ نے انہیں ثابت قدم رکھا مسلمانوں کی تعداد پہلے ایک ہزار تھی اب سات سو باقی بچے۔ اب اسی لشکر کو لے کر رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو مغرب کی سمت چھوڑتے ہوئے ایک مختصر راستے سے احد کی جانب پیش قدمی کی۔ اور احد کی بلندیوں کو پشت کی طرف کرتے ہوئے وادی کے سرے پر واقعہ احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا۔ اس طرح دشمن مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حائل ہو گیا ۔ احد پہاڑ جس کو جبل احد بھی کہتے ہیں ۔آپ میں سے کتنے لوگوں نے حج اور عمرہ کیا ہو گا۔تو آپ میں سے بعض لوگ جب زیارتوں کے لیے جاتے ہیں ۔تو بھی اس کو دیکھتے ہیں۔

پس منظر غزوۂ احد

احد پہاڑ کے دامن میں تیر اندازوں کی پہاڑی ہے۔یہاں پر رسول اللہ ﷺ کا لشکر تھا ۔ کافروں کا، مسلمانوں کا ۔کافروں کے پیچھے پہاڑی درہ تھا ۔جس پر آپﷺ نے پچاس صحابہ کو پہرےداری کے لیے مقرر کیا تھا ۔پیچھے سے حضرت خالد بن ولید نے یہاں پر آ کر حملہ کیا تھا مسلمان اس رخ پر آگے کھڑے تھے اورپیچھے جیسے کسی کی کمر پر کوئی چھرا گھونپ دیا گیا ہو۔ اور یہ تھی صف بندی ۔

جیسے میں نے آپ کو بتایا کہ قافلہ کو تین دستوں میں مقرر کیا گیا۔ احد پہاڑ پیچھے ہے۔ قیادت پیارے رسول ﷺ اور پھر آگے سارے عام مسلمان سات سو کے قریب ،جو مجاہد ہیں ۔آگے تین دستے ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے پاس اس کے لیڈر یا کمانڈر ان کو بنایا تھا جو میسرہ یعنی بائیں طرف پھر دوسرا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بیچ میں رکھا قلب دل میں ان کے بارے میں آتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس زرہ نہیں تھی۔ خالی تھے۔ اور ان پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا ۔اور ان کو بیچ میں رکھا اور میمنہ پرحضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۔تو میمنہ کسے کہتے ہیں؟ دائیں جانب قلب بیچ میں اور میسرہ بائیں جانب ۔اس طرح دشمن مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حائل ہو گیا ایک طرف مسلمان تھے دوسری طرف مدینہ ۔بیچ میں کافر تھے پھر یہں آپ ﷺ نے لشکر کو ترتیب دی۔ اورحضرت عبداللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں جبل عنین پر جو بعد میں جبل رمات کے نام سے معروف ہواپچاس تیر انداز مقرر فرمائے۔ اور انہیں حکم دیا کہ سواروں کو تیر مار کر دور رکھیں۔ مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کریں ۔اور انہیں تاکید کی کہ جب تک آپ ﷺ کا حکم نہ آئے اپنی جگہ نہ چھوڑیں خواہ مسلمان فتح یاب ہوں یا شکست کھائیں ادھر مشرکین نے بھی اپنے لشکر کو مرتب کیا اور میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی ۔ان کی عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں لڑائی کے لیے بھڑکا رہی تھیں جوانوں کو غیرت دلا رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

اشعار:

اگر پیش قدمی کرو گے ۔تو ہم گلے لگائیں گی اور قالین بچھائیں گی ۔اور اگر پیچھے ہٹو گے تو روٹھ جائیں گی اور الگ ہو جائیں گی ۔ان علمبرداروں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے یہ کہہ رہی تھیں کہ دیکھو بنی عبد الدار۔ پشت کے پاسدار۔ خوب کرو شمشیر کا وار۔ کیونکہ جھنڈا گرنا نہیں چاہیے۔

پھر دونوں لشکرقریب آگئے۔ مشرکین کا علمبردار اور قریش کا سب سے بہادر انسان طلحہ بن ابی طلحہ نمودار ہوا ۔وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اور اس نے دعوت مبارزت دی ۔یعنی جنگ کی دعوت دی۔ جواب میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ شیر کی طرح جست لگائی اور اونٹ پر جا چڑھے ۔ یعنی اس شخص پر پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کودے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے نعرہ تکبیر بلند کیا ۔اور مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے کما نڈر تھے یعنی اس وقت جرنل تھے۔ تین بار کوشش کی کہ مسلمانوں کی پشت پر جا پہنچیں۔لیکن تیر اندازوں نے تیر برسا کر انہیں واپس کر دیا ۔ مسلمانوں نے مشرکین کے علمبرداروں پر اپنا حملہ مرکوز رکھا ۔ یہاں تک کہ ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا ۔یہ کل 11، اشخاص تھے۔ ان کے خاتمے کے بعد جھنڈا زمین پر آ گرا ۔ یعنی گیارہ لوگ تھے جو بنی عبدالدار کے تھے جھنڈے کو سنبھال رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک گرتا گیا ۔ دوسرا پکڑتا گیا۔ اور مسلمان ان کو مارتے گئے۔ مسلمانوں نے بقیہ اطراف پر ہلہ بول دیا ۔یعنی حملہ کر دیا۔ صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ اور مشرکین کی اچھی طرح پٹائی کی۔حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ اسی پیش قدمی اور غلبے کے دوران اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ انہیں وحشی بن حرب نے قتل کیا ۔یہ ایک حبشی غلام تھا۔ جو نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا ۔اس کے آقا جنید بن مصعب نے اس سے وعدہ کیا تھا ۔ کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو اسے آزاد کر دیا جاۓ گا ۔کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کے چچا طائیمہ بن عدی کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ چنانچہ وحشی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک آدمی سباع ابن عبد العزی کا سر قلم کر رہے تھے ۔ کہ وحشی نے ان کی طرف نیزہ کا رخ کیا۔ وہ غافل تھے ۔ نیزہ ان کے پیروں پر لگا ۔یعنی ناف اور دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ گر گئے اور اٹھ نہ سکے ۔یہاں تک کہ ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ ان کو چھپ کر مارا گیا ۔ آمنے سامنے مقابلے میں ان کو شہید نہیں کیا جا سکا ۔بہرحال مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی بھاگ گئیں۔ مسلمانوں نے مشرکین کو گھیر لیا۔ انہیں مار بھی رہے تھے ۔اور مال غنیمت بھی سمیٹ رہے تھے۔ لیکن اسی موقع پر تیر اندازوں نے غلطی کی اور وہ اپنے مورچوں پر باقی رہنے کا جو تاکیدی حکم انہیں دیا گیا تھا۔ غنیمت کے چکر میں ان کے چالیس آدمی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔حضرت خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا ۔ اور پہاڑ پر جو10 آدمی رہ گئے تھے۔ ان کا صفایا کر دیا۔ یعنی انہیں شہید کر دیا ۔پھر پہاڑ کے پیچھے سے گھوم کر مسلمانوں کی پشت پر سے ان کو نرغے میں لینا شروع کر دیا۔ نرغے میں لینا کیا ہے ؟گھیراؤ کرنا گھیرے میں لینا ۔ان کے سواروں نے ایک نعرہ بلند کیا ۔جسے مشرکین نے پہچان لیا ۔اور وہ بھی پلٹ پڑے۔ اور ان کی ایک عورت نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا ۔پھر کیا تھا۔

بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹ آئے اور جم گئے۔ یوں مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے بیچ آگئے۔رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کا حملہ اور آپ ﷺ کے قتل کی افواہ ۔اس وقت رسول اللہ ﷺ پیچھے تشریف فرما تھے ۔اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف سات انصار اور دو مہاجرین تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ ﷺ نے پہاڑ اور آپ کے پیچھے سے خالد کے سواروں کو جب نمودار ہوتے دیکھا۔ تو نہایت بلند آواز سے پکارا ۔کہ اللہ کے بندو میری طرف آؤ ۔لیکن اس آواز کو مشرکین نے جو مسلمانوں کی بہ نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب تھے۔ سن لیا اور ان کے ایک دستے نے تیزی سے آواز کا رخ کیا ۔اور رسول اللہ ﷺ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ ان کی کوشش تھی۔ کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا !کون ہے۔ جو ان کو ہم سے دفع کرے۔ اس کے لیے جنّت ہے۔ فرمایا !کہ وہ جنّت میں میرا رفیق ہوگا ۔ اس پر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے ۔اس کے بعد مشرکین نے پھر حملہ کیا۔ اور پھر بالکل قریب آگئے۔ آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا! اب ایک دوسرے صحابی نے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا ۔اور وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہوگئے ۔پھر تیسرے نے پھر چوتھے نے یہاں تک کہ ساتوں انصاری صحابہ شہید ہوگئے۔ آپ ﷺ کے پاس سات انصار اور دو مہاجرین تھے ۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو قریشی مہاجر باقی بچے۔ ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔چنانچہ مشرکین نے اپنا حملہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دیا ۔یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا۔ جس سے آپ ﷺ پہلو کے بل گر گئے ۔پھر آپ ﷺ کا نچلا داہنا رباعی دانت ٹوٹ گیا ۔نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ خُود سر پر ٹوٹ گئی۔ وہ جو لوہے کی آپ ﷺ نے پہنی ہوئ تھی ۔ جس سے سر اور پیشانی پر چوٹ آئی آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئ ہڈی پر تلوار کی ضرب لگی ۔جس سے خُود کی دو کڑیاں اندر دھنس گئیں۔ کندھے پر بھی تلوار کی ایک سخت ضرب لگی۔ جس کی تکلیف ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک محسوس ہوتی رہی ۔البتہ آپ ﷺ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی۔ اس لیے وہ کٹ نہ سکی ۔یہ سب کچھ اس کے باوجود پیش آگیا کہ دونوں قریشی جان پر کھیل کر آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیر چلائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تیر ان کے طرف بکھیرتے ہوئے فرمایا ۔چلاؤ تم پر میرے ماں با پ فدا ہوں ۔اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے تنہا پچھلے سب لوگوں کے برابر لڑائی لڑی۔ یہاں تک کہ انہیں 35 یا 39 زخم آئے اپنے ہاتھ پر تیر تلوار رو ک کر نبی ﷺ کو بچایا ۔جس سے ان کی انگلیاں زخمی ہو کر شل ہو گئیں۔ یعنی بہت زیادہ زخمی ہو گئیں۔ جب ان کی انگلیاں زخمی ہوئیں ۔تو ان کے منہ سے ہس کی سی آواز نکلی۔ کہتے ہیں ۔کہ انگلیاں شہید ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔اگر تم بسم اللہ کہتے ۔تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے۔ اور لوگ دیکھتے رہتے اس مشکل ترین گھڑی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام اترے۔ اور آپ ﷺ کی طرف سے سخت لڑائی کی ۔کچھ مسلمان بھی پلٹ کر آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ اور انہوں نے بھی جم کر دفاع کیا۔ سب سے پہلے پلٹ کر آنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاہا۔ کہ اگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خُود کی کڑی نکال دیں۔ خُود لوہے کا لباس جو آپ ﷺ نے پیہنا ہوا تھا ۔لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کر

کے خود کی کڑی نکالی ۔جس سے ان کا اگلا ایک دانت شہید ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری کڑی نکالی اور دوسرا دانت بھی شہید ہو گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر دونوں کو سنبھالا۔ دونوں زخمی تھے۔
اب آپ دیکھیں کہ عام طور پر دانت کا دردہوتا ہے۔ تو رات بھر سو نہیں پاتے چہرہ سوج جاتا ہے کھا نہیں پاتے اور کتنی چوٹیں لگ چکی ہیں کتنے زخم پیارے رسول ﷺ کو لگ چکے ہیں ۔کہ وہ لوہے کی کڑی دو دانت شہید ہو گئے اور کیسے خون بہ رہا ہوگا ۔اور اس پر بھی آپ ﷺ کو یہ فکر تھی ۔کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کو سنبھالا جائے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی آ پہنچے۔ ادھر مشرکین کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اور ان کے حملے بھی سخت تر ہوتے گئے۔ مگر مسلمانوں نے نادِرَۂ روزگار بہادری کے ساتھ مقابلہ گیا۔ نادِرَۂ روزگار یعنی بڑی بہادری کے ساتھ بڑی دلیری کے ساتھ کوئی تیر چلا رہا تھا ۔تو کوئی دفاع کر رہا تھا ۔کوئی لڑ بھڑ رہا ۔کوئی اپنے جسم پر تیروں کو روک رہا تھا ۔مسلمانوں کی تعداد بھی تھوڑی تھی جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا ۔مشرکین نے ان کے دائیں ہاتھ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا ۔اب تصور کریں کہ دائیاں ہاتھ کٹ گیا ہے کوئی چھوٹا سا زخم لگ جائے ہوش نہیں رہتا ۔ بائیں ہاتھ میں اب جھنڈا پکڑ لیا۔ مشرکین نے اسے بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہرائے رکھا۔ اور اسی حالت میں شہید ہو گئے ۔ان کا قاتل عبداللہ بن قمہ تھا کیونکہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے ۔اس لئے دشمن نے سمجھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔چنانچہ اس نے واپس پلٹ کر چیختے ہوئے کہا۔ کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ یہ خبر تیزی سے پھیل گئی۔ اور اس کے نتیجے میں مشرکین کا دباؤ کم ہو گیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں اب ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔جب مسلمانوں نے خود کو نرغے میں لیے جانے کی کاروائی دیکھی ، یعنی ہر طرف سے گھیراؤ ۔تو وہ بدمزگی کا شکار ہو گئے ۔ اور کوئی متحدہ موقف اختیار نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض نے جنوب کی طرف فرار اختیار کی اور مدینہ جا پہنچے ۔بعض احد کی گھاٹی کی طرف بھاگے ۔اور اسلامی کیمپ میں پناہ گیر ہوئے ۔بعض نے رسول اللہ ﷺ کا رخ کیا ۔اور جلدی سے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کے دفاع میں لگ گئے ۔جیسا کہ گزر چکا ہے اکثر مسلمان نرغے کے اندر اپنی جگہوں پر ثابت قدم رہ کر گھیرنے والوں سے لڑتے بھڑتے بھی رہے ۔لیکن چونکہ کوئی شخص منظم طور پر ان کی قیادت نہیں کر رہا تھا۔ اس لئے ان کی صفوں میں انتشار اور بدنظمی غالب رہی۔ پہلی صف پلٹی پچھلی صف سے ٹکرا گئی ۔یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کے ہاتھ شہید کر دئیے گئے ۔اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بار بار کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں یہ میرے والد ہیں ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے نبی ﷺ کے قتل کی خبر سنی ۔تو ان کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا اور وہ ٹوٹ کر رہ گئے ۔حتیٰ کہ کتنوں نے لڑائی ہی چھوڑ دی ۔جبکہ دوسروں کو جوش آ گیا۔ اور انہوں نے کہا کہ اٹھو اور جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے۔اس پر تم بھی جان دے دو۔ مسلمان انہی حالات سے دوچار تھے۔ کہ اچانک حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا۔ اس وقت نرغے میں آئے ہوئے مسلمانوں کی طرف راستہ بنا رہے تھے ۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دونوں آنکھوں سے پہچانا ۔کیونکہ چہرہ خود سے چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔ مسلمانوں خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ - یہ سن کر مسلمانوں نے آپ ﷺ کی طرف پلٹنا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ 30صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ مشرکین نے ان کی واپسی کی راہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے اور اسی کوشش میں ان کے دو آدمی کام بھی آگئے - مارے گئے ۔اس

حکیمانہ تدبیر سے مسلمانوں کو نجات تو مل گئی۔ لیکن تیر اندازوں نے جو غلطی کی اور رسول اللہ ﷺ کی حکم کی مخالفت کی ۔اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی ۔گھاٹی میں مسلمان نرغے سے نکل کر گھاٹی میں قرار پذیر ہو چکے تھے ۔گھاٹی کیا ہے؟ جیسے نیچے کی جگہ کو گھاٹی کہتے ہیں۔ ان میں اور مشرکین میں بعض ہلکی اور انفرادی جھڑپیں ہوئیں۔ لیکن مشرکین کو آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کی جرات نہ ہوئی ۔بلکہ وہ میدان میں تھوڑی دیر باقی رہے اور اس دوران مقتولین کا مثلہ کرتے رہے۔(لاشوں کو بگاڑنا ان کی بےحرمتی کرنا۔ان کے ناک کان کاٹنا جسم ان کے جو عضا ہیں ان کو کاٹنا۔ اس کومثلہ کہتے ہے۔)یعنی ان کا کان ناک اور شرم گاہیں تک کاٹ ڈالیں ۔اور پیٹ چاک کر دئیے۔ ہند بن عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا ۔اور اس کو چبایا۔ لیکن نگل نہ سکی ۔اس لئے پھینک دیا ۔اور کان ناک وغیرہ کے ہار اور پازیب بنائے ۔ادھر ابی بن خلف نے بڑے گھمنڈ غرور کے ساتھ گھاٹی کا رخ کیا۔ اس کا دعویٰ تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا ۔لیکن اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اس کو خُود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس ایک چھوٹے سے نیزے سے ایسی ضرب لگائی ۔کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا۔ اور بیل کی طرح چنگاڑتا ہوا قریش کے پاس پلٹا۔ پھر واپسی میں مکہ کے بالکل قریب مقام سرف پہنچ کر مر گیا ۔اس کے بعد قریش کے چند آدمی آئے ان کی قیادت ابوسفیان اور خالد بن ولید کر رہے تھے۔ یہ پہاڑ کے بعض اطراف میں چڑھ گئے ۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑ کر انہیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا. بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ان کے تین آدمی بھی قتل کیے۔ اس طرح مشرکین کے مقتولین کی کل تعداد 22 یا 37 تھی۔جبکہ مسلمانوں کے 70 آدمی شہید ہوئے۔ 41 خزرج کے اور 24 اوس کے ۔اور 4 مہاجرین کے۔ ان کے علاوہ ایک یہودی بھی مارا گیا ۔بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں ۔ابو سفیان اور خالد بن ولید نے آخری اور ناکام کوشش کے بعد مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ جب گھاٹی کے اندر مطمئن ہو چکے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ محراب سے جو احد کے اندر ایک چشمہ ہے،پانی لے آئے۔ اور آپ ﷺ کو پینے کیلئے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے قدرے ناگوار بو محسوس کی۔ اس لیے پیا تو نہیں ۔البتہ اس سے چہرہ دھویا۔ اور سر پر بھی ڈال لیا ۔ مگر زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ جو تھم نہیں رہا تھا ۔لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس پر راکھ چپکا دی ۔اور خون تھم گیا ۔پھر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ خوش ذائقہ پانی لے آئے ۔جسے آپ ﷺ نے پیا اور انہیں دعائے خیر دی ۔زخم کے سبب ظہر کی نماز آپ ﷺ نے بیٹھ کر پڑی - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز ادا کی۔ اسی اثنا میں انصار اور مہاجرین کی کچھ عورتیں بھی آ پہنچیں۔ خبر مدینہ میں پہنچی۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ پانی سے مشکیزیں بھرتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ اسی طرح ایک صحابیہ کو خاتون احد کہا جاتا ہے۔ حضرت عمّارہ رضی اللہ عنہا ۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا ۔کہ میں دائیں دیکھتا تو عمّارہ کو پاتا میں بائیں دیکھتا ۔تو تم میں عمّارہ کو پاتا تو زخمیوں کو مرہم پٹی اور پانی پلاتے دیکھا ۔جب مشرکین واپسی کے لیےپلٹے۔تو ابوسفیان جبل احد پر نمودار ہوا۔ اور بلند آواز سے بولا۔ کیا تم میں محمد ﷺ **ہیں-کسی** نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا ۔کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر ہیں رضی اللہ عنہ۔ پھر کسی نے جواب نہ دیا اس نے پھر کہا۔ کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں رضی اللہ عنہ ۔پھر کسی نے جواب نہ دیا۔صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے منع کر رکھا تھا ۔اس میں کیا حکمت تھی ؟منع کرنے میں یعنی دشمن زور پر تھا۔ تو یہ ایک تدبیر تھی، حکمت تھی۔ کہ اگر کہیں کہ ہاں ہیں۔ تو پھر وہ آ چڑھے اوپر تو آپ ﷺ نے ان کو منع کر رکھا تھا۔ اب ابو سفیان نے کہا ۔اچھا چلو ان تینوں سے تو فرصت ہوئی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے ۔ وہ بولے او اللہ کے دشمن جن کے تو نے نام

لیے ہے۔ وہ سب زندہ ہیں ۔اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔ ابو سفیان نے کہا تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ لیکن نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی برا منایا ہے۔ پھر اس نے نعرہ لگایا ، حبل بلند ہو۔ نبی ﷺ نے صحابہ کو جواب سکھایا اور انہوں نے فرمایا۔ اللہ اعلی و برتر ہے ۔ابو سفیان نے پھر نعرہ لگایا ۔ہمارے لئے عزّی ہے اور تمہارے لئے عزّی نہیں۔ نبی ﷺ نے پھر جواب سکھلایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ۔اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں اس کے بعد ابو سفیان نے کہا۔ کتنا اچھا کارنامہ رہا ۔آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول رہی۔(ڈول کا کیا مطلب ؟ ڈول جو ہوتا ہے ۔کبھی وہ کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے کبھی کسی کے ہاتھ میں)۔ یعنی کسی کو شکست ہے تو کسی کو فتح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نےفرمایا! برابر نہیں ہمارے مقتولین جنّت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔ ابو سفیان نے کہا تم لوگ یہی سمجھتے ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو ہم ناکام اور نامراد رہے پھر ابو سفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا عمر میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ نہیں ۔اور اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا تم میرے نزدیک ابنِ قَمہ سے زیادہ سچے اور راستباز ہو اس کے بعد ابو سفیان نے پکارا آیندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا !کہہ دو ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی ۔مشرکین کی واپسی اور مسلمانوں کی طرف سے شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری کے بعد ابو سفیان واپس آ گیا۔ اور مشرکین کے لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا ۔وہ اونٹوں پر سوار تھے اور گھوڑوں کو پہلو میں کر رکھا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان کا ارادہ مکہ کا ہے ۔اور یہ مسلمانوں پر محض اللہ کا فضل تھا۔ کیونکہ مشرکین اور مدینہ کے درمیان کوئی نہ تھا جو انہیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکتا ۔یعنی یہ بھی ہو سکتا تھا ۔کہ وہ واپس مکہ جانے کے بجائے مدینہ کا رخ کرتے ۔اور جو بچے کچےمسلمان تھے - ان کو نقصان پہنچاتے ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے (جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے) انہیں پھیر دیا۔ اس کے بعد مسلمان زخمیوں اور شہیدوں کی کھوج لگانے کیلئے میدان میں اترے ۔بعض لوگوں نے بعض شہیدوں کو مدینہ منتقل کر دیا آپﷺ ے حکم دیا کہ انہیں ان کی شہادت گاہوں میں واپس لایا جائے ۔اور سارے شہداء کو غسل اور نماز کے بغیر ان کے کپڑوں ہی کے اندر دفن کر دیا جائے ۔آپ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر کے اندر دفن کیا۔ اور بسا اوقات دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے کے اندر جمع کیا اور درمیان میں اذخر گھاس ڈال دی اور لحد میں اس شخص کو آگے کیا جسے قرآن زیادہ یاد تھا۔ اور فرمایا میں ان لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز گواہی دوں گا۔ تو آپ دیکھ لیں کہ قرآن زندگی میں بھی عزت دیتا ہے زندگی میں بھی سرفرازی دیتا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں بھی عزت دے گا۔ اور آخرت میں بھی درجے بلند کرے گا۔ اور جنّت میں بھی درجوں کی بلندی کا ذریعہ بنے گا۔ تو قرآن یہ بڑی قیمتی دولت بہت بہترین چیز اور دنیا میں جو کچھ ہم جمع کرتے ہیں ۔ان میں سب سے زیادہ بہترین قرآن ہے۔اور جمع کرنے والوں کو قرآن کے جمع کرنے پر خوشیاں منانی چاہیئے ۔رونا نہیں چاہیے کہ مشکل ہے یاد کرنا یا پڑھنا سمجھنا۔

لوگوں نےحضرت حنزلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کی لاش اس حالت میں پائی کہ وہ زمین سے اوپر تھی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ! فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے ابھی نئی شادی کی تھی اور بیوی کے ساتھ ہی تھے کہ جنگ کی پکار پڑ گئی ۔اور وہ بیوی کو چھوڑ کر سیدھے میدان جنگ میں آ گئے ۔اور پھر حالت جنابت ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے - لہذا فرشتوں نے انہیں غسل دیا - اس لیے وہ **غسیل الملائیکہ** کہلاتے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اتنی چھوٹی چادر میں کفنایا گیا کہ اگر سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا ۔چنانچہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی ۔یہی صورتحال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس کے ساتھ پیش آئی۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان شہداء کے دفن اور ان کے لئے دعا سے فارغ ہو چکےتو مدینہ کا رخ کیا راستے میں کچھ عورتیں ملیں -جن کے رشتےدار شہید ہوئے تھے- نبی ﷺ نے انہیں تسلی دی -اور ان کے لئے دعا فرمائی ۔بنو دینار کی ایک خاتون آئی -جن کے شوہر بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے- جب انہیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی- تو کہنے لگی رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا۔ لوگوں نے کہا آپﷺ الحمد للہ جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں۔ خاتون نے کہا- ذرا مجھے آپﷺ کو دکھلا دو۔ لوگوں نے انہیں اشارے سے بتایا -جب ان کی نظر آپﷺ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھی ۔کہ آپﷺ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔ اب کتنی شہادتوں کی ان کو خبر ملی شوہر بھائی اور باپ تینوں رشتے ایسے ہیں جو بہت قریبی اور قربت والے ہیں۔ بڑے پیارے رشتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی ان کو یہ فکر تھی کہ رسول اللہ ﷺ تو ٹھیک ہیں۔ اگر وہ ٹھیک ہیں تو اس کے بعد پھر ساری مصیبتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے ہنگامی حالت میں رات گزاری زخم۔ تھکان غم نے انہیں چور چور کر رکھا تھا۔ پھر بھی وہ مدینہ کا پہرہ دیتے رہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر معین رہے ادھر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ اگر وہ مدینہ واپس آنے کی کوشش کریں تو اسکے ساتھ کھلے میدان ہی میں دو دو ہاتھ کیے جائیں۔

غزوہ حمرہ الاسد : چنانچہ صبح ہوئی تو آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرمایا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے چلنا ہے۔ اور صرف وہی آدمی جا سکتا ہے جو معرکہ احد میں موجود تھا ۔لوگوں نے سمعنا و اطعنا کہا ۔ ہم نے بات سنی اور مانی۔ یعنی آپ ﷺ نے کیوں کہا کہ باقی لوگ نہیں جا سکتے۔ جو مشکل وقت میں ساتھ نہیں تھے۔ جو اصل جنگ تھی جب اس میں ساتھ نہیں تھے-اب تو پیچھا کرنا ہے اب ان کو آگے نام لکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ صحابہ جو اتنی سخت جنگ کر کے آئے تھے زخمی تھے- میں تو اسی پہ غور کر رہی تھی-کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان شہید ہو گئے -اور ایسے کتنے ہی مسلمان تھے- جن کے رشتےدار شہید ہو چکے تھے۔ خود بھی زخمی اور جنگ کی تھکن۔ ایک دعوت کی تھکن اٹھنے نہیں دیتی ہم کہتے ہیں ہلا نہیں جاتا ۔اور اس کے باوجود ان صحابہ نے انکار نہیں کیا۔ ۔چنانچہ لوگ مدینہ سے چل پڑے اور آٹھ میل دور **حمرہ الاسد** پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا ۔ادھر مشرکین نے مدینہ سے 36 میل دور پر جا کر مقام روحا پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور مدینہ پلٹنے کے لئے رائے مشورہ شروع کیا ۔انہیں افسوس تھا -کہ انہوں نے ایک بہترین موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ اس دوران معبد بن ابی معبد جو رسول اللہ کے خیرخواہوں میں سے تھے۔حمرا الاسد میں آپﷺ کے پاس آیا اور احد کے واقعے پر آپﷺ سے تعزیت کی -آپﷺ نے اسے فرمایا کہ وہ ابو سفیان سے ملیں اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔ معبد وہاں پہنچا اس وقت مشرکین مدینہ واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ معبد نے انہیں بری طرح ڈرایا ۔کہ محمد ﷺ ایسی جماعت لے کر نکلے ہیں کہ میں نے کبھی ایسی جمعیت نہیں دیکھی- یعنی ایسے لوگوں کو جماعت کو لے کر نکلے ہیں سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوئے جا رہے ہیں اور تم پر اس قدر بھڑکے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا ہراول دستہ اس قبیلے کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہوا دیکھ لوگے ۔بس آنے ہی والے ہیں یہ سن کر مکی لشکر کے عزائم ٹھنڈے پڑ گئےاور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے چنانچہ ابو سفیان نے صرف جوابی اعصابی جنگ پر اتفاق کیا اور ایک قافلے کو تکلیف دی کہ وہ مسلمانوں سے کہے کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں۔ ان سے ڈرو ۔تاکہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کریں قافلے کو کہا کہ ہمارا یہ پیغام ان کو بتاؤ ۔کہ ہم یہاں پر جمع ہیں۔ تو ہمارے پیچھے نہ آئیں ۔اس نے بھی یہ تدبیر چلی۔ اور وہ جلدی سے مکہ کوچ کر گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ دھمکی ان پر کچھ اثر انداز نہ ہوئی۔ **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** ۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ چنانچہ وہ

اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے-انہیں کسی برائی نے نہ چھوا-اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی-اور اللہ بڑے فضل والا ہے-
تفصیل جاننے کے بعد دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے آیات میں کیا پیغام دیتے ہیں۔

آیت 121: وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

ترجمہ۔ (اے پیغمبرؐ! مسلمانوں کے سامنے اُس موقع کا ذکر کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ ۔ جب تم صبح سویرے نکلے۔تو رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لیے اپنے گھر سے صبح صبح نکلے تھے ۔ جب بھی زندگی میں کوئی اہم موقع ہو کوئی اہم کام ہو تو اس کا آغاز علی الصبح کرنا چاہئے۔ دن چڑھے سورج چڑھے جب کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو اس میں برکت نہیں رہتی۔ اور وہ صحیح طریقے سے پائے تکمیل کو بھی نہیں پہنچتا۔ تو **دوسری** اہم بات **مِنْ أَهْلِكَ** اپنے گھر سے توگھر کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ انہوں نے اپنے گھر کو چھوڑا اس وقت گھر میں بیوی بچے اہل و عیال کی محبت آپ کے پاؤں کی زنجیر نہیں بننی چاہیے۔ جب ضرورت تھی تو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے اور صبح صبح نکلے ۔اس سے ایک بات اور پتا چلتی ہے کہ جب بھی کوئی اہم مشن اہم مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ تو اس وقت اپنے پیاروں کی اور وہ چیزیں جو بہت محبوب ہوتی ہیں ان کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ نرم گرم بستر ہو سکتے ہیں نیند ہو سکتی ہے آرام ہو سکتا ہے بچے گھرمال و دولت اور بہن بھائی اور تمام مرغوبات نفس ہو سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی جو ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے ۔ صبح صبح اپنے گھر سے نکلے۔ **تیسری** بات اس آیت سے کیا پتہ چلتی ہے۔ **تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ** اور احد کے میدان میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے جا بجا معمور کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بہترین سپہ سالار تھے ۔اور ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی فوج کو جمع کیا تھا کہ اس میں کوئی ابتری ہو اور اس میں کوئی ترتیب نہ ہو۔ اور اس میں کوئی سلیقہ اور نظم و ضبط نہ ہو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ اپنی فوج کو ترتیب دے رہے تھے ۔ان کی جگہ مقرر کر رہے تھے۔ ہر ایک کو بتا رہے تھے کہ جو دستے ہیں انہوں نے کہاں کھڑا ہونا ہے۔ اور کس طرح کھڑا ہونا ہے اور کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔ اس سے ہمیں یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ کوئی بھی اہم کام کرنا ہوتا تو اس کی منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔ اور ہر ایک کو پتا ہونا چاہیے کہ اس کو کیا کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں ۔**تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ** کہ آپ ﷺ بتا رہے تھے۔ مسلمانوں کو کہ کہاں بیٹھنا ہے گھات کیسے لگانی ہے اور کس جگہ لگانی ہے اور ہر ایک کو اس کی جگہ پر مقرر کر رہے تھے-بہترین زندگی وہ ہے جو نظم و ضبط کے ساتھ ہو۔گھر کے اندر بھی سلیقہ کچن کی الماریوں میں بھی سلیقہ ۔کپڑے کی الماریوں میں بھی سلیقہ ۔اور ہر چیز میں سلیقہ ۔اور جو لوگ سلیقہ مند ہوتے ہیں ان کی واقعی پوری زندگی سلیقے سے گزرتی ہے ۔ہر چیز قرینے سے رکھی ہوتی ہے- پینسل ڈھونڈنی ہو قلم ڈھونڈنی ہو ۔ہر چیز آرام سے مل جاتی ہے کہ کہاں سے کیسے چیز اٹھانی ہے۔ اور کچھ جو لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ڈھونڈنے میں ہی زندگی گزار دیتے ہیں۔ پہلے گماتے ہیں پھر ڈھونڈتے ہیں اور اسی میں زندگی گزر جاتی ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہے چلو یہ سوٹ پھر پہن لیں گے کیونکہ نہ تو الاسٹک مل رہی ہے، نہ ازاربند مل رہا ہے نہ ہی ازاربند ڈالنے والی مل رہی ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق لینا چاہیے- کہ ہنگامی حالات ہوں یا کہ روزمرہ کے حالات ہوں -مشکل ہو یا آسانی ہو زندگی میں نظم و ضبط اور طریقہ نظر آنا چاہیے۔

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ   اور اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اللہ کو خوب پتہ تھا - کہ مخالفین کیا کہہ رہے ہیں -اور جو مسلمان ہیں -وہ کیا کہہ رہے ہیں -علیم اللہ کو یہ بھی خبر ہے کہ دونوں کے حالات کیا ہیں- اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پتہ ہے کہ جنگ کا انجام کیا ہوگا۔ ابتدا میں حالات کیا ہیں اور اختتام پر حالات کیا ہونگے۔

آیت 122: إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

ترجمہ: یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی د کھانے پر آمادہ ہوگئے تھے، حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

یہاں پر اشارہ ہے بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی طرف - جن کی ہمتیں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کی وجہ سے پست ہو گئی تھیں۔ جب عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ عین مقابلے کے وقت آ کر کہنے لگا -ہم جاتے ہیں ہو سکتا ہے- ہمیں امید ہے کہ جنگ ہوگی ہی نہیں- ورنہ ہم واپس نہ جاتے اور یہ بھی کہا کہ ہماری بات بھی نہیں مانی گئی۔ تو جب منافقین یا کم حوصلہ رکھنے والے ایسی باتیں کرنے لگیں جس سے لوگوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں ۔تو جو اچھے لوگ ہوتے ہیں ان کے حوصلے بھی ٹوٹنے لگتے ہیں ۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی کمزوری اور کم ہمتی دیکھ کرمسلمانوں کے دو قبیلے ۔ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے اندر بھی کم ہمتی پیدا ہوئی -کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے سامان بھی کم ہے اور ہم ویسے بھی کمزور ہیں - اس وجہ سے انہوں نے بھی سوچا کہ ہم بھی چلے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے اندر کمزوری آنے لگی ہمتیں پست ہونے لگی-ان دونوں کی پشت پر کون موجود تھا؟ -اللہ رب العزت کی ذات۔

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت کریمہ ہم انصار کے حق میں اتری۔ اگرچہ اس میں ہمارا عیب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم ہمیں یہ پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی ۔کیونکہ اس میں **وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا** ۗ اللہ دونوں فریقوں کا مددگار تھا- کے الفاظ مذکور ہیں۔ **روایۃ بخاری**

کتنی خوبصورت انہوں نے بات کہی کہ گو کہ ہمارا اس میں عیب بتایا گیا ہے لیکن ہمیں پھر بھی یہ بات پسند تھی کہ آیت نازل ہوتی کیونکہ اس میں اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ اللہ ان دونوں کا ولی تھا ۔**وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** اور مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو کثرتِ عدد اور سازو سامان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے ۔کہ مادی سامان جمع کرنے کی فکر ہو -اس کی بھی کوشش کریں لیکن اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے ۔اور بنو حارثہ اور بنو سلمہ کی کمزوری اور کم ہمتی کا جو ان کے اندر وسوسہ پیدا ہوا وہ یہی تو تھا ۔تو اب اس وسوسے کا علاج کیا بتایا گیا ؟ **توکّل علی اللہ ۔** توکل اور اعتماد ایسے وسوسوں کے لیے نسخہِ کیمیاء ہے۔ نسخہِ تاثیر ہے۔ یعنی بڑی بہترین چیز کہ تعداد کی بجائے انسان اللہ پر بھروسہ کرے ۔اور یہ توکل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے نبی ﷺ کا اسوہ بھی ہمارے سامنے ہے ۔آپ ﷺ کی زندگی میں بہت سے ایسے موقعے آئے ہیں کہ آپ ﷺ نے ظاہری اسباب پر توجہ دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا۔ اور یہاں بھی آپ دیکھیں کہ صبح صبح نکلے ہیں۔ تعداد بھی تھوڑی ہے اور پھر بھی مسلمانوں کو حال اور مقام کے مطابق بتا رہے ہیں۔ نقشہ جنگ آپ کے سامنے ہے مورچے بنا کر ان کو بٹھا رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جو منتظم ہوتا ہے اس کو خودبھی میدان کے اندر موجود ہونا چاہیے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ پیچھے ہو خود دیر سے آئے اور باقیوں کو کہے کہ تم لوگ وقت پر پہنچ جاؤ- خود موجود ہوگا تو صحیح انداز میں تقسیم کار کرے گا۔ تو یہ ساری چیزیں کیا تھی؟ یہ

سب بھی اللہ پر توکل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب کچھ نہ کیا جاتا ۔توکل کا مطلب یہ نہیں کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر بیٹھ جائیں ۔ اب اگررسول اللہ ﷺ گھر ہی بیٹھے رہتے اور کہتے کہ اللہ پر توکل ہے جیت ہو جائے گی۔ بلکہ گھر سے بھی نکلے صحابہ کو مقرر بھی کیا یعنی جو کوششیں ہو سکتی ہیں وہ تمام کوششیں کیں۔ ہمیں ضرور سمجھنا چاہئے کہ توکل کہتے کس کو ہے ۔بعض لوگ توکل پر رہتے ہیں کہ نہ جاب کرنی ہے نہ نوکری کے لیے درخواست دینی ہے نہ ہی محنت کرنی ہے۔ مرد کی مردانگی ختم ہو جاتی ہے اگر وہ محنت نہ کرے اور کہتے ہیں ۔کہ توکل ہے اللہ کھلائے گا۔ وہ چڑیاں کو بھی کھلاتا ہے- یہ صحیح بات ہے- لیکن آپ اٹھیں روزگارکی تلاش کریں محنت مزدوری کریں۔ ایک نہیں ملتی دوسری دوسری نہیں ملتی تیسری ۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیے ۔اور اس کے ساتھ اللہ پر توکل کرنا چاہیے اعتماد کرنا چاہیے۔

آیت 123: وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکر ی سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

تو اب یہاں پر بات بتائی جارہی ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے کبھی کامیابی اور فتح بھی دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں ۔ **وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ** کے بدر کے موقع پر اللہ ہی نے تو تمہاری مدد کی تھی۔ **وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** اور اس وقت تم کمزور تھے۔ تم ناتواں تھے ۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتح دے دی۔ اللہ سے ڈرو- یہ نہ سوچو کہ ہماری تعداد کم ہے ۔تو ہم جیتیں گے کیسے ۔تو غزوہ احد پر جب تبصرہ کیا جا رہا ہے تو غزوہ بدر کی یاد بھی دلائی جاری ہے۔ تاکہ مسلمان اپنا جائزہ لے سکیں۔ اور مسلمان یہ سوچیں کہ غزوہ احد میں اگر قلت تعداد ہے تو غزوہ بدر میں بھی تو تعداد بہت کم تھی۔ مسلمان ہر لحاظ سے کمزور تھے ۔اسلحہ جنگ بھی بہت کم تھا۔ تو ان حالات میں جب اللہ تعالیٰ نے مدد کی تو اب کمزوری دکھانے والے اور دل چھوڑنے والے مسلمانوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ اب اللہ ہماری مدد پر کیوں نہیں آئے گا۔ تو اس کے لئے کرنا کیا چاہیے۔ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** یعنی اللہ سے ڈرنا صبر کرنا اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر مشکل وقت میں مسلمانوں کی نصرت کے لئے غیب سے سامان پیدا کرتا ہے۔

آیت 124: اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَؕ

ترجمہ: یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے، "کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟"

اس وقت کیا حالات تھے-یعنی جب دو قبیلوں نے کمزوری دکھائی ۔تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کی اور دوسرے مسلمانوں کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا ۔کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تعالی تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے- جیسا کہ غزوہ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی ۔ ایک اور بات جو پتا چلتی ہے کہ ابھی لڑائی شروع بھی نہیں ہوئی تھی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ کعب بن جابر مدد لے کر مشرکین کی مدد کیلئے آ رہا ہے۔ اس افواہ سے مسلمانوں میں مزید اضطراب پھیل گیا۔ ۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ۔اگر کفار کو ہنگامی طور پر مدد مل رہی ہے ۔تو تم اس سے ڈر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی تو اپنے فرشتوں کی تعداد میں اضافہ کر دے گا اللہ کی غیبی مدد میں بھی تو اضافہ ہو جائے گا ۔

آیت 125 : بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ

ترجمہ: **بے شک، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔**

بعض مفسرین نے تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کے وعدے کو غزوہ بدر سے متعلق لیا ہے۔ کیونکہ اوپر غزوہ بدر کا ذکر ہوا ہے تو کہتے ہیں یہاں پہ تین ہزار اور پانچ ہزار کی مدد کا جو ذکر ہے- یہ غزوہ بدر ہی کے لیے ہے۔ غزوہ بدر میں قلیل تعداد اور کمزور اور نہتے مسلمانوں کو ڈھارس بندھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے میدان میں بھیج دیئے۔

سورۃ انفال :9۔ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي **مُمِدُّكُمْ** بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ۔**اور وہ موقع یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔** غزوہ بدر میں یہ مشہور ہوا -کہ مکہ سے مزید مدد آرہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا -کہ ایسی صورت میں ہم تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے ۔پھر کیونکہ کافروں کے لئے مکہ سے کوئی مزید مدد نہ پہنچی-تو فرشتے بھی نہ آئے۔ البتہ ایک ہزار فرشتوں کی میدان بدر میں شرکت قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔

غزوہ احد میں فرشتوں کی مدد صحیح روایات سے ثابت نہیں ہوتی ۔تو زیادہ توجیح مفسرین کہتے ہیں کہ یہی درست معلوم ہوتی ہے کہ مدد سے مراد غزوہ بدر کی مدد ہے۔ تو یہاں پر جو بات کہی جارہی ہے وہ کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب تین ہزار نہیں۔پانچ ہزار صاحبِ نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گایہ بھی ہوتا ہے نا-کبھی ایک بات کا ذکر ہو رہا ہو -تو دوسری کا ذکر کیا جائے- ساتھ ہی سمجھانے کے لئے غزوہ احد پر تبصرہ ہے تو غزوہ بدر کی مثال بھی سامنے دی جا رہی ہے۔

آیت 126: وَمَا جَعَلَهُ ٱللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِۦ ۗ وَمَا ٱلنَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَكِيمِ

ترجمہ: **یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے۔**

میدان بدر میں نزول ملائیکہ کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے دی تھی- وہ اس لیے کہ لوگوں کے دل مضبوط ہو جائیں -تاکہ وہ جم کر میدان میں اتریں -اور لڑئیں۔ اللہ تعالیٰ نے غزرہ بدر میں مسلمانوں کی چار طرح سے مدد کی۔ ہوا کا رخ کفار کے لشکر کی طرف موڑ دیا۔ اور ریت نے اڑ اڑ کر ان کے لشکر کو بدحال کر دیا۔ پھر بارش کا نزول جس سے کفار کے پڑاؤ میں پھسلن اور دلدل پیدا ہوگئی۔ لیکن مسلمانوں کے پڑاؤ میں ریت جم گئی۔ کیونکہ مسلمان ایک چشمہ کے پاس تھے- انہوں نے اپنا جو لشکر کھڑا کیا تھا پڑاؤ ڈالا ۔تو انہیں استعمال کے لیے وافر پانی میسر آیا۔ اور پھر فرشتوں کا نزول ۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں -آپ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا -یہ جبرئیل علیہ السلام آن پہنچے اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے-لڑائی کے ہتھیار لگائے ہوئے-**روایۃ بخاری**

حدیث: حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں- کہ ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر فرمانےلگے -آپ ﷺ **اہل** بدر کو کیسا سمجھتے ہیں- آپ ﷺ نے جواب دیا- سب مسلمانوں سے افضل یا ایسا ہی کوئی کلمہ ۔جیرئیل کہنے لگے اسی طرح وہ فرشتے جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے -دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں ۔**روایۃ بخاری**
چوتھی مدد کیا تھی -غزر بدر میں مسلمانوں کی مدد کا چوتھا طریقہ -کہ کفار کو مسلمان مجاہدین کی تعداد اصل تعداد سے دوگنی نظر آنے لگی۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں جب پہلی بار دیکھا- تو ان کے 600 پر تھے-اور ایک پر ایسا تھا کہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا تھا۔تو اکیلے ہی تمام مکہ کے لوگوں کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ تعداد کی تو ضرورت نہیں تھی- حضرت میکائیل ان کی مدد کرنے کے لیے آئے ۔تو ایک فرشتہ کتنے لوگوں کی جان نکالتا ہے تو کیا وہ ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا ۔تو اصل بات کیا ہے۔کہ عام انسانی نفسیات پر تعداد اثر رکھتی ہے۔ اسی طرح شادی وغیرہ کے موقع پر تعداد مطلوبہ تعداد سے بڑھ جائے تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں کہ کھانے کا کیا ہوگا -تو تعداد سےانسانی نفسیات متاثر ہوتی ہے ۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ یہ فرشتوں کی جو تعداد بتائی گئی یہ بات تو اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی کہ تم خوش ہو جاؤ۔اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ تیسری چیز کہ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے- اللہ کی طرف سے ہے- فتح جب ملتی ہے تو یہ نہیں کہ ایسے ہی مل جاتی ہے بظاہر بعض اوقات انسان کو لگتا ہے۔کہ میں نے یہ کام کیا میں نے یہ کوشش کی اور مجھے یہ چیز مل گئی -تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں -کہ اہل ایمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے ۔کہ فتح اور نصرت ہمیشہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ عزیز ہے- وہ غالب ہے- وہ فتح و غلبہ عطا کرے جس کو چاہے اور وہ حکیم بھی ہے اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت127 : **لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ**

ترجمہ: (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے، یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

طَرَفًا لفظ ایک طرف تو **نظر** کے لیے۔اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرا یہ **کنارے** کو بھی کہتے ہیں۔ کسی چیز کا کنارہ اور سرا -تو یہاں پر کہ ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔ یعنی اس کو کاٹ دے اور جماعت کا بازو قوت کے لیےہوتا ہے۔ اگر ایک جماعت کٹ جائے -یعنی اس کا بازو کٹ جائے -تو اس کی قوت کٹ گئی۔ جیسے کافروں کی قوت کم کر دی جائے۔اس کا بازو کاٹ دیا جائے۔ آپ دیکھیں بازو سے ہمارے پورے جسم کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے - بازو نہ ہو- تو جسم کی قوت کا اندازہ نہیں ہوتا یا آپ اس کا استعمال نہیں کر سکتے -تو کافروں کا ایک بازو کاٹ دینا -یعنی ان کی قوت کو کم کرنا۔ اللہ تعالی نے کیوں یہ قوت دی ؟۔**فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ** تاکہ کافروں کو ذلیل شکست ملے اور وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ان کی طاقت کے حصے کو اس طرح توڑ دے کہ پھر ان کو شکست مل جائے ۔تو یہ ساری آیات بتا رہی ہیں -کہ اللہ رب العزت کیسے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ کیسے مدد کرتے ہیں ۔یعنی غزوہ بدر سے متعلق یہ بھی کہتے ہیں بلکہ زیادہ

لوگوں کی رائے یہ ہے کہ غزوہ احد میں کوئی فرشتوں کے ذریعے مدد نہیں ہوئی۔تو غزوہ بدر سے متعلق ہیں۔ بہرحال یہ کسی بھی غزوہ سے متعلق ہوں - اصل چیز جو پوری بات کا نچوڑ ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کو اور پیارے رسول ﷺ سب کو تسلی دی جارہی ہے۔ کہ جو کچھ موجود ہو جب بھی مشکل وقت آئے تو پھر میدان میں کود پڑیں پریشان نہ ہوا کریں۔حوصلے نہ ڈھا جائیں ۔اور وسوسے شیطان کے تمہیں گرا نہ دیں۔ تمہارا کام حالات کا مقابلہ کرنا اور میرا کام ہے تمہیں فتح دینا۔ اور فتح کب آتی ہے ؟فرشتے مدد کو کب آتے ہیں ؟

اشعار:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے
تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں
گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ہم کیا کہتے ہیں؟ عام طور پر مسلمانوں کی کیا ذہنیت ہے؟ کہ مدد آئے گی تو ہم میدان میں اتریں گے ۔جب مدد ملے گی تو ہم یہ کام کریں گے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔تم کام شروع کر دو میرے راستے میں نکلنا شروع کر دو۔ میری راہ میں چل کر تو دیکھو میری طرف آ کر تو دیکھو تم چل کر آؤ گے اور میں بھاگ کر تمہاری طرف آؤں گا تم اپنا دامن پھیلا کر تو دیکھو بھرنا دوں گا تو کہنا۔ اصل بات کیا ہے؟ کہ آپ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔اور جو اچھا کام ہے اس کے لئے کوشش کریں کلاس میں داخلے کی بات ہو۔ دورہ تفسیر میں جانے کی بات ہو ۔کوئی بھی نیکی کا کام بیماری میں عیادت یا تعزیت ۔آپ کرنا چاہتے ہیں تو سبب اللہ بنا دے گا ۔ساتھ اللہ دے دے گا - انتظام بھی ہو ہی جائے گا کرسیاں بھی مل ہی جائیں گی۔ سارا کچھ ہو جائے گا۔ اصل بات کیا ہے کہ تم نکلو تو سہی ۔لیکن آج مسلمان اپنی جگہ بستر سے نکل نہیں رہے اور کہتے ہیں کہ اصل میں آج جا نہیں سکتے اس لیے کہ سواری نہیں ہے۔ ابھی تم بستر سے نکلو تو سہی تم تیار تو ہو ایک بزرگ کی مجھے بات بڑی اچھی لگتی ہے۔ کہ ان کو جیل میں بند کر دیا گیا تھا ۔مسلمانوں پر جو مشکلات اور مصیبتیں آئیں جیل میں وہ بند تھے اپنے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں ۔جب جمعہ کا وقت آتا تھا تو جو بھی کپڑا میسر ہوتا پہنتے۔خوشبو لگاتے اور لاٹھی کو ٹیک کر جیل کے دروازے تک آتے پھر کہتے - اللہ تعالیٰ یہاں تک آنا تو میرے بس میں ہے اب اس سے باہر نکل کر جانا یہ تیرے بس میں ہے۔ یہ ہے میرا فرض جو میں نے ادا کر دیا آپ دیکھ لیں کہ آپ کیا کرتے ہیں ہم کیا کرتے ہیں تو یہاں پہ یہ بات بتائی جا رہی ہے ۔حوصلے بلند رکھنے چاہیں ۔اور کوشش کرنی چاہیے اور جب کوشش کرو گے تو مدد آئے گی جیسے کہ غزوۂ بدر میں آئی ۔جیسے کہ غزوۂ احد میں آئی ۔جیسے کہ ہر دور میں آئی۔ اور آپ بھی اس بات کو محسوس کریں گی۔ کہ واقعی اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے مثلا بعض اوقات کھانا کم ہے مہمان آگئے آپ دیتی ہی نہیں ہیں کم ہو جائے گا بھئی آپ نکالیں۔تو سہی اللہ اس میں برکت دے دے گا ۔اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ برکت ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم پہلے سے ہی شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کھانے کا بھی وقت ہے پھر بھی ہمت نہیں کرتے کہ پوچھ لیں - تو یہاں پر زندگی کے تمام معاملات میں ہمارے لئے توکل علی اللہ کا اصول ملتا ہے -

آیت 128 : لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَـٰلِمُونَ

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ فیصلے کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ کیا تھی ؟کہ رسول اللہ ﷺ جب زخمی ہوئے۔ تو آپ ﷺ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی ۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے۔ جو اپنے نبی کو زخمی کر دے۔

اس سسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ حالانکہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی اور آپ ﷺ پریشان تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر دیں۔ اور یہ آیات ہمیں کیا پیغام دیتی ہیں؟ کہ رسول اللہ ﷺ کو غزوہ احد میں جو تکلیف پہنچی اور مسلمان شہید اور زخمی ہوئے ۔اور خود رسول اللہ ﷺ بہت صدمے کی کیفت میں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو آپ ﷺ کو یہ تسلی دی کہ اس معاملے میں نہ تم کو کوئی دخل ہے اور نہ تم پر کوئی ذمہ داری ہے ۔آپ ﷺ نے تو اپنا فرض ادا کیا ۔دوسری بات یہ کہ اگر کوئی دوسرا گروہ اپنی جان پر ظلم ڈھاتا ہے تو اس کا غم تم کیوں کرو ۔جیسے کافر مسلمانوں کو شہید کر رہے تھےاور پیارے رسول ﷺ خود زخمی تھے ۔

تو اب ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو ۔یہ کیسے ہو گیا ۔کہ یہ کہا جائے کہ وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی۔ یعنی توبہ کی توفیق دینا یا نہ دینا ان کو معاف کرنا یا نہ کرنا ان کو سزا دینا یا نہ دینا یہ انسانوں کا کام نہیں ہے۔ یہ کس کا کام ہے ؟یہ اللہ رب العزت کا کام ہے۔ تو یہاں پر یہ بھی پتا چلتا ہے ۔کہ اس موقع پر چند نام اور مشرکین کا نام لے لے کر آپ ﷺ نے بد دعا دی ۔مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

یہ تو اللہ کا کام ہے یعنی ایک طرف آپ کو یہ بات جو ہے وہ سمجھائی گئی اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ چند ہی دن گزرے تھے کہ جن مشرکین کے حق میں آپ ﷺنے یہ بددعا کی تھی انہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺکے قدموں پرلا ڈالا۔ اور ان کو اسلام کے جانباز سپاھی بنا دیا ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس سے ہمیں کیا بات پتا چلتی ہے کہ ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے ہم کبھی کسی کے ظاہر کو دیکھ کر کسی کے عمل کو دیکھ کر اس کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ فلاں تو کافر ہے فلاں تو منافق ہے فلاں تو اچھا ہے ہی نہیں ۔فلاں کو ہدایت ملنی نہیں۔ وہ تو مرے گا ہی کفر میں۔ بہت لمحے زندگی میں ایسے آتے ہیں کہ انسان دوسروں کے روّیوں سے جب پریشان ہوتا ہے ۔تو اپنی رائے کا اظہار کر دیتا ہے ۔اور بددعا دے دیتا ہے۔ تو اب یہ قبیلے جن کے لیے بددعا دی گئی۔ وہ اللہ کی توفیق سے مسلمان ہو گئے ۔یا وہ لوگ مسلمان ہو گئے ۔تو اس سے کیا پتا چلا کہ غیب کا علم تو اللہ کے پاس ہے ۔کہ کون مسلمان ہوگا یا نہیں۔ اگر آج کوئی شخص برے حالات میں ہے ۔ہو سکتا ہے۔ کل وہ بہت اچھی حالت میں ہو جائے۔ تو پھر کیا کرنا چاہیے ؟ڈرنا چاہیے ۔ ہم جو بھی اچھا کام اللہ کی توفیق سے کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کا ہمیشہ ڈر رکھنا چاہیے ۔کہ اللہ تعالی مرتے دم تک ہدایت پر قائم رکھنا۔ اور ہدایت دینے کے بعد گمراہی میں مبتلا نہ کرنا۔ ایمان پر موت دینا اور دوسری بات اپنے دل ناداں کو یہ بات سمجھانی چاہیے۔ کبھی کسی کے کٹے ہوے بال دیکھ کر کسی کے سر سے ڈوپٹہ اترا ہوا دیکھ کر اس کے بارے میں برا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ جانے وہ کتنی نیک ہو ۔اس کے کتنی ایسے عمل ہوں۔ جو ہم آپ سے اچھے ہوں ۔اور وہ پوشیدہ ہوں۔ اور آپ کو پتا نہ ہو۔ اور اللہ جانے زندگی کے کس لمحے وہ آپ سے کتنی زیادہ اچھی ہو جائے اپنا جلباب اپنا سکارف اپنی داڑھی اپنی شلوار ٹخنوں سے اوپر کرکے دین ہے۔ یا اسلام ہے اس کی علمبردار یا ٹھیکے دار نہیں سمجھنا چاہیے ۔کہ ہم کوئی بڑی چیز ہیں ۔اور بعض اوقات ۔ ایسے لوگ وہ اپنی نظروں سے دوسروں کو شرمندہ کر دیتے ہیں ۔اور اشارے ایسے دیتے ہیں ۔کہ لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کئی لوگ کہتے ہیں ۔کہ بہت دیندار لوگوں میں چلے جائیں ۔مسجد میں چلے جائیں یا دیندار لوگوں میں سے جا کے جب ملتے ہیں۔

تو بہت تنہا محسوس کرتے ہیں۔ بات ہی نہیں کرتے یا سلام ہی نہیں کرتے -یا آپس میں گھلتے ملتے نہیں ہیں۔ یا وہ اس طرح بات کرتے ہیں- جیسے ہمیں کچھ پتہ ہی نہیں ہے -یا کچھ ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات انسان کے اندر غیر محسوس طور پر یہ چیز آنی شروع ہوجاتی ہے۔ کہ وہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کو کچھ نہیں آتا اور مجھے بہت کچھ آتا ہے -تو اس سے نکلنا اور اپنے اندر عاجزی اور انکساری کا ہونا۔ اور دوسروں کی ہمیشہ عزت کرنا احترام کرنا -اسی طرح غیر مسلموں کے بارے میں بھی بعض لوگ بہت دشمنی رکھتے ہیں ان کے لیے بھی اچھے جذبات رکھنا چاہیے- نہ جانے کب وہ مسلمان ہو جائیں۔ اگر وہ مسلمان نہیں - تو کیا ہم نے ان کو دین کی دعوت دی - ان تک ہم پہنچے ہیں ہماری ذمہ داری کیا ہے ؟تو یہاں پر یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ وہ ظالم ہیں۔ ان کو سزا ملے گی یا توبہ قبول ہوگی یہ تو اللہ کو پتہ ہے۔

آیت 129: وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ: **(اے پیغمبرؐ) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے، چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں**

زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے -سب اللہ کا ہے-زمین اللہ کی ساری کی ساری خدائی اللہ کی ستارے چاند اور سورج ہوائیں بادل پھل اور پھول ساری کائنات جو اتنی خوبصورت ہے- جو اتنی سجی ہوئی ہے- اور جس کے پیچھے انسان بھاگ رہا ہے -اللہ تعالیٰ فرماتاہے -یہ ساری میری- تو پھر انسان کو کیا کرنا چاہیے ؟ اللہ کا ہو جانا چاہیے- وہ انسان جو اشرف المخلوقات میں سے ہے -جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے- پوری کائنات اس کے لئے سجائی گئی- تو جب کائنات **طَوعاً و کَرْھاً** اللہ کی بندگی کرتی ہے- اللہ کو سجدہ کرتی اللہ کی اطاعت کرتی ہے- تو پھر انسان کو بھی اپنے دل ناداں کو اس کے آگے جھکا دینا چاہیے- اور اللہ کی اطاعت پر راضی اور خوش ہونا چاہیے- اور اس پر خوشیاں منانی چاہیے -

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی
زندگی کا مقصد ہی اللہ کی بندگی ہے -تو پھر اللہ کا ہو جانا چاہیے -
زندگی پھر رہی تھی بھٹکتی ہوئی
میری خانہ بدوشی کو گھر مل گیا-

جس کو مقصد زندگی مل جائے -جس کو رب کی بندگی مل جائے جس کو رب کی اطاعت نصیب ہو جائے -جو صحیح مسلمان ہو جائے تو واقعی خانہ بدوشی کو گھر مل جاتا ہے- پھر ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت ہو جاتی ہے -تو یہ آیات بھی اللہ کے اختیار کو اللہ کی بادشاہی کو اور اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو اظہار کرتی ہیں۔ اور ساتھ یہ بتاتی ہیں **يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ** کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے معاف کر دے -یعنی جو معافی چاہے گا- جو اس کے آگے اپنا دامن پھیلائے گا اللہ اس کو معاف کر دے گا -اور جس کو چاہے وہ معاف نہ کرے جس کو چاہے سزا دے دے-
وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے اور بہت رحیم ہے- - - سزا کا ذکر کیا تو ساتھ ہی **غَفُورٌ رَّحِيمٌ** کا بھی کہ وہ اگر سزا دے گا اسی وقت دے گا- جب انسان سزا کا مستحق ہو گا- ورنہ اللہ کی خوبی کیا ہے- وہ تو غفور و رحیم ہے- وہ تو بخشنے والا ہے- وہ تو لوگوں کے

گناہوں کو معاف کرنے والا ہے ۔دن کے اجالے میں جو گناہ کرتے ہیں ۔اللہ ان کو بھی معاف کرتا ہے رات کےاندھیروں میں جو گناہ کرتے ہیں- ان کو بھی معاف کرتاہے۔ لوگوں کا مجمع ہو یا تنہائی انسان جو غلطیاں بھی کرتا ہے- اگر اللہ کی طرف لوٹ آئے آسمان بھر کر گناہ ہوں زمین بھر کے گناہ ہوں۔ تو بھی اللہ اس کو بخش دیتا ہے۔ ہمیں اللہ کی طرف لوٹنا چاہئے ۔اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے ۔

آیت 130: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةًۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے

سود کی حرمت کا ذکر ہے- یہ آپ سورۃ البقرہ کی آیات میں پڑھ چکی ہیں۔ 278 سے 279 اور یہ آیت سورۃ البقرہ کی آیات سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کو سود کی قباحتوں سے متعارف کروا کربتایا گیا ۔کہ یہ اچھی چیز نہیں ہے اس سےحقارت کرو۔ ایک معاشرہ ہے ۔اور اس کا نظام سود پرمبنی ہے۔ لوگوں کے اندر سود کھانے کی لینے دینے کی اتنی عادت ہے کہ ایک دم ان کو کہا جاتا کہ چھوڑ دو- تو اس کا چھوڑنا ان کے لئے مشکل تھا۔ تو ان کے ذہنوں کو تیار کرنے کے لئے ان کے ذہنوں کو ہموار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر سود کا ذکر کیا۔ اور یہاں پہ غزوۂ احد کا ذکر کرتے درمیان میں سود کا ذکر کیوں کیا گیا ؟اس کی وجہ کیا تھی؟کہ غزوۂ احد میں ابتدا میں مسلمان کو جب شکست ہونے لگی تو اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا وہ دستہ جو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں درّے کی حفاظت کر رہا تھا ۔اس نے جب فتح کے آثار دیکھے۔تو مال کے طمع سے مغلوب ہو گئے ۔ مال کی محبت ان پر غالب آگئی ۔اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کی بجائے غنیمت لوٹنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس صورتحال کی اصلاح کے لیے جو مال کی محبت کا سرچشمہ ہے ۔اس پر بند باندھنا ضروری سمجھا ۔سود کی کیا خاصیت ہوتی ہے؟ سود کی یہ خاصیت ہوتی ہےکہ ایک طرف سود لینے والوں میں حرص ، طمع ، بخل اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری طرف سود دینے والوں میں نفرت غصّہ ، بغض اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ تو احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا- اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ قرآن کا یہ انداز بہت خوبصورت ہے۔سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتا ہے ۔کہ جب ایمان لائے ہو ۔تو ایمان کا تو مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ڈھے نہ جانا بیٹھ نہ جانا اپنی مرضی نہ کرنا ۔اپنی مرضی کو اللہ کے حوالے کر دینا۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں اپنے آپ کو اللہ کی سپردگی میں دے دینا ۔اللہ کی اطاعت کرنا۔ تو اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا کرو؟ ۔ **لَا تَأْكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً** یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو ۔جب انسان سود کھانے کا عادی ہو جاتا ہے- تو اس کے اندر روپے پیسے کی بے حد حرص پیدا ہوتی ہے **أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً** کے معنی کیا ہیں؟ مثلا اگر کسی کو دو سو روپے دیئے ہیں- دو سو ڈالر دیئے ہیں تو یہ کہنا کہ ایک سال بعد جب واپس کروگے- تو پھر ڈھائی سو ڈالر دینے ہوں گے ۔اور اگر وہ سال بعد نہ دے سکو- تو ایک اور سال بعد پھر سو ڈالر کا اور اضافہ ۔ ڈھیری پر اور ڈھیری کا اضافہ - اسلام میں ہر طرح کا سودممنوع ہے - دوگنا چگنا کر کے یا تھوڑا تھوڑا ہو یا زیادہ ہر طرح کا سود اسلام اس کو حرام ٹھہراتا ہے- اور یہ بتاتا ہے کہ یہ چیز صحیح نہیں ہے۔ اور سود وہی کھاتے ہیں اور لیتے دیتے ہیں- جن کے اندر ایمان کی کمی ہے ۔اور اس بات پر سب کو ضرور سوچنا چاہیے ۔ قران میں سود کے لیے جتنے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں- کسی اور چیز کے لیے نہیں کیے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کا اعلان جنگ ہے ۔ان کے خلاف جو سود کھاتے ہیں ۔سود لیتے ہیں ، دیتے ہیں۔ اس کے کام

میں ملوث ہیں - **وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** اور اللہ سے ڈرو **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** شاید کہ تم فلاح پا جاؤ- اور اصل فلاح کیا ہے؟ اصل کامیابی کیا ہے- وہ کیا چیز ہے کہ جس سے انسان کامیاب ہو سکتا ہے؟ کہ بچو اس آگ سے جو تیار ہے کافروں کے لیے-

آیت 131 :وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَـٰفِرِينَ

ترجمہ: اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے-

تو یہاں پر جس چیز سے بچنے کے لیے کہا جا رہا ہے- وہ ہے دوزخ کی آگ- اگر لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہیں گے- تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کے لیے تیار کریں گے- اگر وہ سود سے باز نہیں آئیں گے- تو پھر وہ کافر ہیں -اور ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے - دنیا میں دنیا کی نعمتیں آسائشیں دل فریبیاں رنگینیاں ہیں- اس میں جب کھوتے ہیں -تو پھر انسان یہ دیکھتا ہی نہیں کہ سودنہیں لینا چاہیے- کوئی کہتا ہے اب یہ سود نہیں ہے- تو اس کی شکل بدل کر اس کا استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں -دنیا کے جو خوبصورت گھر سود پر لیے جاتے ہیں- اور بعض لوگ تو یعنی ستم برائے ستم یہ ہے -کہ لوگ اس کے کاروبار میں ملوث ہو رہے ہیں -اور وہ بھی مسلمان کے ایک گھر خریدا بظاہر رہنے کے لئے- پھر چھ مہینے بعد اس کو بک کرایا تھا بیچ دیا -پھر دوسرے گھر میں چلے گے -تو اس پر کہتے ہیں کہ ہمیں ڈیڑھ لاکھ ڈالر منافع ہو گیا- پھر دوسرا بک کروایا پھر تھوڑے دنوں میں سوچا کہ اس کو بھی بیچ کر کرائے کہ گھر میں آتے ہیں-پھر وہاں پر دو لاکھ ہمیں نفع ہو گیا -تو لوگ گھر بک پہ بک کرواتے جارہے ہیں- اس طرح سود میں ملوث ہوتے جارہے ہیں- تو اس پر سوچنا چاہیے- کہ جس چیز کو اللہ حرام کہہ دے- جس چیز سے اللہ منع کر دے -جس چیز سے اللہ کہہ دے کہ تم یہ کام نہ کرو -تو پھر انسان کے اندر ایسے جرات کیسے ہو جائے کہ وہ انسان اس پر اپنی دنیا کی زندگی کی بنیاد رکھنے لگے - اور وہ گھر اچھے لگنے لگیں -اور وہ کپڑے اچھے لگنے لگیں -اور وہ زندگی کا جو معیار انسان کے دل کو اس سے ٹھنڈک محسوس ہو -ایسا ہو نہیں سکتا- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں- کہ ان کے لئے آگ تیار کی گئی ہے- اور یہ فلاح نہیں ہے -یہ کامیابی نہیں یہ سکون کی زندگی نہیں ہے- تو سکون کس میں ہے؟

آیت 132: وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کا حکم مان لو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا

یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت ایسی خوبی ہے ایسا عمل ہے -کہ پھر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کے گناہ معاف کر دیتے ہیں -پھر انسان پر اللہ رب العزت رحم کرتے ہیں- اور آپ دیکھ لیں -کہ یہاں پر اللہ کی اطاعت ہی کافی تھی- رسول کی اطاعت کو بھی لازم کیوں ٹھہرایا گیا -کیوں ضروری قرار دیا گیا ؟اس لیے کہ جہاں پر بھی اللہ کی اطاعت کا حکم ملتا ہے تو وہاں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم ملتا ہے -کہ دین اسلام میں اسلام کے بنیادی ارکان میں یہ چیز ہے -یہ بنیادی اصول ہے -کہ اللہ کی وحدانیت کا اور اس کی بندگی کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ رسول کی تصدیق کی جائے- اور رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے - اس لیےکہ **مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ** جس نے اطاعت کی رسول کی گویا کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی-**(4:80)** یہ بھی قرآن میں ملتا ہے-
-

سورۃ نساء آیت 80
رسول اللہ کا سفیر ہے - اس کی اطاعت کرنا -گویا کہ اللہ کی اطاعت کرنا ہے -اور کیونکہ غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں سے یہ غلطی ہو گئی تھی -کہ درّے کو چھوڑ دیا تھا -تو اب بتایا جا رہا ہے کہ اصل چیز کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول کی اطاعت ۔

آیت 133: وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِينَ

ترجمہ: دوڑ کر چلو اُ س راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنّت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی۔

یہ نہیں کہا جارہا کہ جاؤ یا آو اطاعت کی طرف ۔ بلکہ سارے دوڑو بھاگو تیزی دکھاؤ۔ دوڑ کر چلو-اللہ کی مغفرت کی طرف -یعنی اللہ کی مغفرت ایسی چیز ہے-جس کو ٹالنا نہیں چاہیے -جس کے کرنے میں جلدی کرنی چاہیے -کہ جس کو مغفرت مل گئ- اس کو تمام اعمال صالح مل گئے -اور مغفرت کیا ہے ؟کہ انسان اپنے گناہوں کی معافی مانگے- اور اچھا بن جائے۔ گویا کہ وہ تمام اعمال صالح اس کو مل جائیں -اور اسی لیے اللہ تعالی سے استغفار کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے بہت سی ایسی دعائیں ملتی ہیں -جس میں وہ استغفار کیا کرتے تھے ۔
اور کبھی کہا کہ دن میں ستر ستر دفعہ میں استغفار کرتا ہوں ۔
مفہوم حدیث :کبھی کہا کہ سو دفعہ کرتا ہوں - جب آپ ﷺ کے پاؤں میں ایک دفعہ ورم آگیا تھا - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔
استغفار کرنا عبادت کرنا-یہ تو اللہ کی شکر گزاری ہے-اور آپ سب کو سید الاستغفار بھی یاد ہوگی- یا پھر آپ کو یاد کرنی ہے۔ سید الاستغفار ایک دعا ہے -رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو سکھائی اور صبح و شام نمازوں کے بعد یہ استغفار پڑھا کرتے تھے -سید الاستغفار کے کیا معنی ہے؟ تمام جو استغفار ہیں جو مغفرت کی دعائیں ہیں ان کا سردار۔

سید الاستغفار

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبّي لا إلهَ إلاَّ أَنْتَ خَلَقْتَني وأنا عَبْدُكَ وأنا على عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ ما اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرّ مَا صَنَعْتُ أبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عليَّ وأبُوءُ بِذَنْبي فاغْفِرْ لي فإنَّهُ لا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إلاَّ أنْتَ.

ترجمہ: **"اے الہٰی! تو میراپروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے،تو نے مجھ کو پیداکیااور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد پر ہوں اور میں عہد میثاق کے پوراکرنے پر مستقیم ہوں اور تیرے وعدے پر ہوں یعنی تیرے حشر کے ہونے والے وعدے پر یقین کرنے والاہوں اور تیرے وعدے پر ہوں اور اس کے علاوہ ،میں پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے، جو میں نے کی اور میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتاہوں، جو تیری طرف سے مجھ پر ہیں اورمیں اپنے گناہوں کا اقرار کرتاہوں، پس مجھ کو بخش دے، تیرے سواکوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔"**
تو یہ ہے- وہ استغفار اور ویسے بھی استغفار کی دعائیں مانگنا- اور پھر اپنی زندگی کو نہ بدلنا اور گناہوں سے نیکیوں کی طرف نہ آنا -یہ بھی توبۃ النصوح نہیں ہے -یہ بھی استغفار نہیں ہے تو صحیح استغفار کیا ہے؟ کہ اپنے گناہوں کا احساس ہو- ان پر ندامت ہو شرمندگی ہو اور رویا بھی کریں۔

محاسبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی بھی مانگی جائے۔ اور پھر آئندہ نیکیوں کی طرف قدم اٹھائے جائیں۔ **دوسری** چیز جس کی طرف دوڑنے کیلئے کہا جا رہا ہے -وہ ہے جنّت۔ **وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ٱلسَّمَـٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ** جس کی چُوڑائی جس کی وسط زمین اور آسمانوں جیسی ہے تو یہاں پر جنّت کی طرف دوڑ کر آنے کا مقصد کیا ہے؟ یعنی ایسے کام کرو- جن سے جنّت کا حصول ممکن ہو جائے۔ جنّت کی یہ صفت بتائی گئی- کہ اس کا عرض آسمان اور زمین جیسا ہے - عرض کیا ہے -یعنی چوڑائی۔ مطلب یہ ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی وسط کا اندازہ کرنا انسان کی بساط سے باہر ہے- انسان کی حیثیت سے باہر ہے ۔تو پھر جنّت کی وسط کا اندازہ انسان کیسے کرے گا۔ جس کی چُوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے-اس کا مطلب یہ ہے کہ جنّت کی وسط لا محدود ہے۔ جنّت بہت بڑی ہے۔ انسان کے ادراک میں بھی وہ چیز نہیں آسکتی وہ اتنی بڑھیا خوبصورت، اتنی پیاری ہے۔ یہ دراصل ایک تمثیل ہے ایک مثال ہے کہ انسان کو جنّت کی وسط کا دھندلا سا تصور ہو سکے۔ ورنہ جنّت کی اصل حقیقت کس کو معلوم ہے ؟وہ اللہ رب العزت ہی کو معلوم ہے -

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا !کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو جنّت تیار کر رکھی ہے- وہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی -نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی دل میں اس کے بارے میں تصور بھی گزرا ۔

یعنی اتنی خوبصورت ہے- وہ کہ انسان اس کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے- کہ وہ ایک ڈاکو کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے-اکثر دعائے خیر کرتے تھے -ابو الحیثم نامی ڈاکو کے لئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایک چور کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا- میری مصیبت کے زمانے میں اس نے اپنے عملی نمونے سے مجھے بڑا قیمتی درس دیا -جب مجھے بیڑیوں میں جکڑ کر زنجیروں میں جکڑ کر اور اونٹ پر سوار کر کےلےجایا جا رہا تھا -تو یہ شخص ایک جگہ راہ میں مجھے ملا اور اس نے مجھے کہا -ابن حنبل چوری کے جرم میں مجھے اتنی بار قیدوبند کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور اتنے سو کوڑے میری پیٹھ پر پڑے -تاہم میں اس حرکت سے باز نہیں آیا۔ اگر میں شیطان کی راہ میں یہ مسائل جھیل کر ثابت قدمی دکھا سکتا ہوں- تو حیف ہے تم پر اگر تم اللہ کی راہ میں ان مصیبتوں کو برداشت نہ کر سکو۔ اس کا مطلب وہ غلط کام کرتا تھا- لیکن اس کو پتہ تھا میں غلط کام کر رہا ہوں -مگر وہ شیطان کے راستے پر تھا ۔اب وہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ نصیحت کر رہا ہے کہ آپ نے مصیبتوں کی وجہ سے اس راستے کو چھوڑ نہیں دینا ۔ہمیں ضرور اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ کہ جو اللہ کی جنّت ہے -وہ اتنی خوبصورت ہے -عام لوگ دنیا کے لیے اتنی محنت کرتے ہیں -اپنی نفسانی خواہشات کے لیے اتنی محنت کرتے ہیں- تو پھر انسان جنّت کے لیے محنت کیوں نہ کرے۔ جو اللہ تعالی نے نیک لوگوں کے لیے خوبصورت جنّت تیار کر رکھی ہے تو اس کے لیے محنت کیوں نہ کرے۔

صلاح الدین ایوبی کے بارے میں یہ بات ملتی ہے- کہ انہوں نے اپنے زمانے میں بہت سے اچھے کام کیے ۔ بہت سی سڑکیں بنوائیں، سکول بنوائے، مدرسے درسگاہیں، مساجد رفاعی ادارے تعمیر کروائے۔ لیکن ان کو اس جنّت کا اتنا خیال رہتا تھا کہ وہ اپنے نام پر وہ نام نہیں رکھتے تھے- اپنے سپاہیوں کے نام پر اداروں کے نام رکھتے تھے۔ جو وہ بنواتے تھے- انسان جب اچھا کام کرتا ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ لوگ واہ واہ کریں لوگ شاباش دیں کہ میری وجہ سے فلاں مسلمان ہو گیا ہے- میری وجہ سے اس نے سکارف لینا شروع کیا ہے۔ میری کلاس میں آتا ہے- تو اس کی زندگی میں تبدیلی آگئی ہے۔ میری وجہ سے جی ان کی طلاق ہونے سے بچ گئی ہے ۔اور اس کو میں نے وہ دعا بتائی تھی۔ تو ان کی زندگی میں سکون آگیا ہے۔ تو یہ جو میں ہے نا یہ انسان کو کہیں ٹکنے نہیں دیتی۔ لیکن انہوں نے کیا کیا تھا اپنی میں کو ختم کر دیا تھا۔ کام خود کرتے تھے۔ سپاہیوں کے نام پر مسجد

اور پل اور چیزیں مقرر کر دیتے تھے ۔ہمارا کیا حال ہے کہ کسی مسجد میں تھوڑا ساچندہ بھی دے دیں ۔تو کہتے ہیں۔ کہ دادی کے نام کا وہ بنا دیں۔ کوئی مینار بنا دیں ۔کوئی اس کا حصہ بنا دیں۔ میرے ابو کے نام کا میری امی کے نام کا۔ تو انسان چاہتا ہے ۔کہ ہمارا نام ہو۔ نام کے لیے انسان بھاگتا ہے۔ تو جنّت جس کی وسط آسمان و زمین جیسی ہے۔ وہ کس کو ملے گی ۔ **أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ** متقین کے لیے تیار کی گئی اور متقی کون ہوتے ہیں ؟ جو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کے عملوں کی بنیاد خوف خدا پر رکھتے ہیں۔ وہ ایسے نہیں ہوتے کہ کرتے کچھ اورکہتے کچھ ہیں۔ بلکہ کیا کرتے ہیں کہ وہ ساری زندگی ہر قدم اور ہر بات ہرعمل کی روشنی میں اور بہترین عمل کی روشنی میں وہ عمل کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃاللہ کی یہ بات بھی بڑی خوبصورت ہے ۔کہ وہ کردار کے غازی تھے۔ ان کی تھوڑی سی مدّت حکومت تھی ۔لیکن اتنی خوبصورت تھی۔ کہ لوگ ان کو آج بھی یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ متقی تھے ۔اس لیے کہتے ہیں ۔کہ ایک دفعہ کوئی ان کو گالیاں دے رہا تھا۔ تو جواب نہیں دیا ۔لوگوں نے پوچھا ۔کہ کیوں۔ تو کہا تقوی نے زبان کو لگام دے دی۔ جواب اس لیے نہیں دیتا کہ تقوی بولنے نہیں دیتا ۔

دل تو چاہتا ہے ۔انسان کا بولنے کو۔ لیکن تقوی یعنی اللہ کا ڈر وہ چیز ہے۔ کہ انسان کو گناہ کرنے سے روک دے ۔

اسی طرح 2ہجری کا واقعہ ہے ۔ شبستان کے حکمران جن کا خاندانی لقب رتبیل تھا ۔بنو امیہ کی حکومت کو خراج دینا بند کر دیا ۔کئی قافلے ان کے خلاف گئے فوجیں گئیں مگر اطاعت نہ کی۔ یزید بن عبد الملک نے جب خراج طلب کرنے کیلئے ایک آدمی بھیجا ۔تو اس نے مسلمان سفیروں سے کہا۔ وہ لوگ کہاں گئے۔ جو پہلے آیا کرتے تھے۔ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح اور پیشانیوں پر سیاہ گٹّے پڑے تھے اور کھجوروں کے چپل پہنا کرتے تھے۔ سفیروں نے کہا ۔ وہ لوگ تو اب گزر چکے۔ اس پر رتبیل بولا۔ اگرچہ تمہاری صورتیں ان سے زیادہ شاندار ہیں۔ مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے۔ تم سے زیادہ طاقتور تھے۔ تاریخ میں آتا ہے ۔یہ کہہ کر رتبیل نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا ۔

تقریبا نصف صدی تک اسلام کی حکومت سے آزاد رہا۔

آیت 134 : ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ

ترجمہ: جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔

ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ ۔ جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ خواہ بدحال ہوں یا خوشحال یہ بڑی خوبصورت بات ہے ۔جب اچھے دن ہوتے ہیں جب زیادہ پیسے ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں چلو تھوڑے سے خرچ کر دیے جائیں اب یہ زیادہ چیز ہے تو یہ تھوڑی سی اپنے پڑوس میں بھیج دی جائے ۔لیکن یہاں پر کیا بتایا جا رہا ہے کہ حال اچھا ہوتا ہے یا پھر خراب ہوتا ہے۔ بدحال ہوتے ہیں۔ یا خوشحال ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مال اللہ کے راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ بڑی خوبصورت صفت ہے۔ جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یہ خوشحالی کا دور ہو۔یا تنگدستی کا اپنی حیثیت اور اپنے جو بھی حالات ہیں اور جو وقت کی ضرورت ہے اس کے مطابق اللہ کے راہ میں ضرور خرچ کیا

جائے اور آپ دیکھ لیں کہ حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنھم کا نام ملتا ہے ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ،یعنی ایسے صحابہ جو امیر تھے۔ وہ بھی اور ہمیں ایسے صحابہ بھی ملتے ہیں۔ جو کہ غریب تھے ۔ رات بھر مزدوری کی اور چند کھجوریں لاکر رسول اللہ ﷺ کے پاس جو مال غنیمت کا ڈھیر تھا ۔اس پر لاکر وہ ڈھیر کر دیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر کیا فرمایا کہ یہ ان سب پر سبقت لے گئے۔

ہر حال میں اور ہر موقع میں خرچ کرنا۔ ہمارے خرچ کرنے کا یہ حال ہوتا ہے۔ جیسے یہاں پر ہے خوشحالی ہو یا بدحالی .بیمار ہو تو کہتے ہیں خرچ کریں،کوئی حادثہ ہو گیا تو کہتے ہیں بکرا ذبح کر دیں ۔کوئی آپریشن ہونے والا ہے ۔تو کہتے ہیں خیرات کرنی چاہیئے۔ اچھے حال میں بھی کرنا چاہیئے ۔صرف برے حال میں نہیں۔ جب جان حلق تک آ پہنچے تو انسان کہے کہ اتنا فلاں کو اتنا فلاں کو پھر تو فلاں کا ہوہی چکا۔ تو یہ کہ اچھے دنوں میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ اور پھر برے دنوں میں بھی ۔دونوں طرح سے امیر ہوں تب بھی غریب ہوں تب بھی زیادہ ہو تب بھی تھوڑا ہو تب بھی ہر حال میں خرچ کرنا چاہیئے ۔پھر ان کی اگلی خوبی کیا ہے؟ **وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ** کہ وہ لوگ غصے کو پی جاتے ہیں ۔ یہاں پر یہ نہیں کہا جا رہا۔ غصہ نکالتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا رہا ۔برتن توڑ دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا رہا ۔کہ غصے کی حالت میں رشتے توڑ دیتے ہیں ۔غصے کی حالت میں کہا طلاق طلاق طلاق۔ یہ نہیں کہا جا رہا ۔کہ اب میرا تیرا بہن بھائی کا رشتہ ختم۔ دوستوں سے کہا جائے ۔ اب ہم آپس میں ملیں گے ہی نہیں ختم ،تو غصہ اس طرح نہیں نکالتے ہاتھ اٹھا اٹھا کر طعنے دے کر جملے بول کر بلکہ کیا کہا جا رہا ہے ۔غصہ پی جاتے ہیں ۔پانی کا مشکیزہ جو بھر جاتا ہے ۔اور پھر بندھا ہوا ہو ،تو ان کا دل ان کا سینہ بے شک وہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ان کو غصہ ہوتا ہے ۔کہ دوسروں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا ۔ وہ گلے تک بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ لیکن اس کو پی جاتے ہیں ۔اور ایسا پیتے ہیں۔ **وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ** کہ وہ دوسروں کے قصوروں کو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ غصہ ہے ۔غصے میں ،میں نے یہ کہہ دیا ۔تو غصے کو ہی تو پینا ہے۔ غصے پہ ہی تو صبر کرنا ہے۔غصے پہ ہی تو زبان کو پکڑنا ہے۔ اور زبان کو لگام دینی ہے۔ یعنی وہ لوگ ایسے نہیں ہیں ۔جب غلط کام کرتے ہیں ۔تو پھر یہ کہ اپنے عمل اس کے اوپر وہ یہ بہانے بناتے یا عذر نہیں تراشتے ہیں۔ پھر وہ صبر کرتے ہیں ۔اور غصے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل میں غصے کی حالت میں میں اپنے آپ میں نہیں رہتا ۔ یا اپنے آپ میں نہیں رہتی، اور پھر غصے کی حالت میں ایسے ایسے بول بول دیتے ہیں۔ ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں ۔کہ انسان بعد میں پچھتاتا ہے۔ غصہ ہی ہے۔ جو غیبت پر آمادہ کرتا ہے۔ صبر کیا ہوتا ہے۔ بہت دن صبر کیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا ۔کہ غصہ آیا۔ وہ ساری سنبھالی ہوئی نیکی ضائع کر دی۔ اور غصے کی حالت میں غیبت کرنے لگے۔ اور جب انسان کو غصہ آتا ہے پھر دوسروں کے پوشیدہ عیوب کو ظاہر کرنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدو نے مجمع عام میں برا بھلا کہنا شروع کیا۔ لوگوں کو اس پر غصہ آیا ۔تو آپ نے فرمایا ۔وہ تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہا ۔مجھے ہی کہہ رہا ہے۔ بعض اوقات جس کو کہا جا رہا تھا ۔وہ غصے میں نہیں ہوتا۔ اردگرد کے جو سپاہی ہوتے ہیں۔ جو اس کے ساتھی ہوتے ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ اچھا تم نے ایسا کیوں کہا ۔ اس میں ہمیں ایک بات اور بھی پتہ چلتی ہے ۔ غصے کے سلسلے میں کیسے لوگوں نے اس پر صبر کیا ہے۔ اور کیسے اپنی زندگیاں انہوں نے صبر میں گزاری ہیں۔ کہ غصے کو پیا اور دوسروں کو معاف بھی کیا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کا واقعہ ۔کہ بھرے بازار میں ان سے کسی نے گستاخی کی اور گالیاں دیں۔ آپ نے غصے کو ضبط کیا ۔کچھ بھی نہیں کہا۔ گھر واپس آئے اور ایک تھال میں کافی درہم اور دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو یہ شخص باہر آیا ۔ اشرفیوں کا یہ تھال اس کے سامنے یہ کہتے ہوے پیش فرمایا ۔کہ آج تم نے مجھ پر بڑا

احسان کیا۔ اپنی نیکیاں مجھے دے دیں میں احسان کا بدلہ دینے کے لیے یہ تحفہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ امام کے اس معاملے کا اس کے دل پر اتنا اثر ہوا -کہ آئندہ پوری زندگی اس نے اپنی خصلت سے توبہ کر لی اور آپ سے معافی مانگی۔ آپ کی خدمت اور صحبت میں رہ کر علم حاصل کرنے لگا اور آپ کے شاگردوں میں سے ایک بڑے عالم کی حیثیت میں شہرت حاصل کی۔

تو آپ دیکھ لیں کہ ایسا دل انسان کہاں سے لائے؟ اور یہ تو لانا ہی پڑے گا -کیونکہ جنّت ایسے لوگوں کو ملے گی -بغیر اس کے جنّت نہیں مل سکتی۔

واقعہ: حضرت امام حسین رضی الله عنہ کا واقعہ بڑا عجیب ہے-کہ ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی- اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا -حضرت علی ابن حسین رضی الله عنہ کے اوپر گرا -تمام کپڑے بھیگ گئے- حضرت علی ابن حسین بعض حضرت حسین کا کہتے ہیں -لیکن بعض کہتے ہیں- کہ حضرت حسین کے بیٹے کا واقعہ ہے- اچھا اب جب کپڑوں پر پانی گر گیا بھیگ گئے -تو کنیز کو بڑا خطرہ ہوا -اس نے فورا کہا- **وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ** یہ سنتے ہی خاندان نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا -بلکل خاموش اس کے بعد کنیز نے دوسرا حصہ پڑھا- **وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ** -فرمایا جا میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا -پھر کنیز بڑی ہوشیار تھی- اس نے تیسرا جملہ پڑھا - **وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ** کہا کہ جا میں نے تجھے آزاد کردیا - لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کرنا- گوکہ یہ ایک بڑا درجہ ہے- لیکن اعلی درجہ کیا ہے؟کہ پھر ان کے ساتھ احسان کا درجہ کیا جائے- درہم اور دینار دینا ان کا شکریہ ادا کرنا۔ شکریہ ادا کرنا تو دور کی بات ہے- ہم تو مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔

،

حدیث قدسی:

الله تعالیٰ یہاں بھی فرماتے ہیں -کہ جو شخص جنّت چاہتا ہے- تو یہ خوبیاں اپنانی پڑیں گی-جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنّت میں اونچے ہوں اس کے درجات بلند ہوں- اس کو چاہیے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو- اس کو معاف کر دے- اور جس نے اس کو کبھی کچھ نہ دیا ہو- اس کو ہدیہ دیا کرے- اور جس نے اس سے ترک تعلق کیا ہو ، اس سے ملنے سے پرہیز نہ کرنا چا ہیے۔

جو تحفہ دیتا ہے اس کو تو ہم دے ہی دیتے ہیں-لیکن جو نہیں دیتا -اس کو دینا-پھر یہ کہ جو کہے کہ ملنا نہیں ہے-پھر اس سے جا کر ملنا- اور پھر یہ کہ جو ظلم کرے-اس کو معاف کر دینا، تو ایسے لوگوں کو الله تعالیٰ فرماتے ہیں -کہ میں ان کو پسند کرتا ہوں - اس کے ساتھ دوسری خوبی کیا ہے ان کی

آیت 135: وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَـٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

ترجمہ: اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً الله انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ الله کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کرسکتا ہو او ر وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔

اور جن کا حال یہ ہے- کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے -یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں -یعنی ان سے کوئی عریانی اور فحاشی والا کام ہو جاتا ہے

-کوئی فحش کام ہو جاتا ہے -کوئی غلط کام ہو جاتا ہے -تو پھر کیا کرتے تھے **ذَكَرُواْ ٱللَّهَ** تو فوراً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے - **فَٱسۡتَغۡفَرُواْ لِذُنُوبِهِمۡ** اور وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ **وَمَن يَغۡفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ** کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو **وَلَمۡ يُصِرُّواْ عَلَىٰ مَا فَعَلُواْ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ** ۔ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں -جو کہ کوئی بھی فحش یا بےحیائی کا کام جیسے گالی دے دی، کوئی بھی عریانی فحاشی کا کام کر لیا ، کوئی غلط کام کر لیا تو جب وہ یہ کام کرتے ہیں جس سے ان کے نفس پر ظلم ہوتا ہے -اس سے زیادتی ہوتی ہے ان کے نفس پر- جو کہ اللہ کو پسند نہیں ہے تو فوراً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے - یعنی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور پھر معافی مانگتے ہیں ۔اور ان کو یہ بات خوب اچھی طرح پتا چل جاتی ہے -کہ برا کام جو بری غلطی اس نے کی ہے -اس کا اثر صرف ان کا اپنی زندگی تک نہیں ہے -دنیا کی زندگی تک نہیں ہے- بلکہ آخرت تک بھی ہوگا۔محاسبہ کرتے ہیں اور گناہوں سے معافی مانگتے ہیں ۔ اور ان کو یہ بات پتہ ہوتی ہے-کہ اللہ کے سوا ان کے گناہ کوئی اور نہیں معاف کر سکتا۔ اللہ کے در کو چھوڑ کر کسی اور کے در پر نہیں جایا جا سکتا۔ اللہ کے در پر اپنے آپ کو جھکا لیتے ہیں، اور وہ اپنی غلطیاں اپنے قصور اپنے گناہ پر وہ اصرار نہیں کرتے ۔

آیت 136: أُوْلَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغۡفِرَةٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَجَنَّٰتٞ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَنِعۡمَ أَجۡرُ ٱلۡعَٰمِلِينَ

ترجمہ: ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔

ان کو ایسی جنّتوں میں ایسے باغات میں داخل کرے گا -جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اتنی خوبصورت جنّت کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی -اتنے خوبصورت باغات کہ پھل بھی ہیں۔ پھول بھی پودے سبزہ بہار اور ساتھ ساتھ پانی بھی رواں ہے۔ چشمے بھی رواں ہیں -اور اتنا ہی نہیں -اس میں ہمیشہ رہیں گے -بہت اچھا لگتا ہے- کہ کچھ چیز ہمیشہ ملے جوانی ہے- تو ہمیشہ گھر ہے تو ہمیشہ ہے -کوئی ساتھ ہے تو وہ ہمیشہ ہو- نظر دیکھ رہے ہیں تو ہمیشہ ایسے ہی دیکھتے رہیں تو جنّت میں یہ خوبیاں یہ صفات ہوں گی- کہ وہ ہمیشہ ہی کی ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتےہیں **وَنِعۡمَ أَجۡرُ ٱلۡعَٰمِلِينَ** کیسا اچھا بدلہ ہے -جو نیک عمل کرنے والوں کو ملے گا ۔ غصے پر قابو پانا غصے کو پی جانا دوسروں کو معاف کر دینا -اللہ کو یہ صفات اتنی پسند ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایسی جنّت دوں گا- اور پھر خود فرماتے ہیں اتنا اچھا اجر ہے جو کہ یہ عمل کرنے والوں کو ملے گا۔ تو آپ کا کیا خیال ہے غصے پر قابو پانا چاہیے کہ نہیں ؟کیونکہ گھروں میں لڑائی کی بہت بڑی وجہ یہ ہوتی ہے- کہ لوگ عام طور پر شوہر یہ کہتے ہیں کہ غصہ آگیا تھا عورتیں یہ کہتی ہیں کہ غصہ آگیا تھا- بچوں کو پیٹ دیا مار دیا کچھ بھی بات کہدی -اور مرد جو ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ غصے میں طلاق دی تھی- اور بعد میں پچھتاتے ہیں۔ کہ اب کیا کیا جائے کیسے دھاگوں کو جوڑا جائے، تو یہ غصہ اس سے ہر صورت بچنا چاہیے ۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص گیا اور کہنے لگا کہ مجھے نصیحت کریں آپ نے فرمایا غصہ نہ کیا کر اس نے بار بار یہ کہا -کہ مجھے نصیحت کریں- آپ ﷺ نے بار بار یہ فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر -بخاری کی روایت ہے۔

تو اصل چیز کہ جس چیز کا پتہ ہوکہ یہ اتنی نقصان دہ ہے تو انسان پھر ہر صورت اس سے بچتا ہے۔ تو غصے سے بچنے کے لئے پھر کیا کرنا چاہیے ؟آعوذ باللہ پڑھنی چاہیے ، انسان میں گرمی ہوتی ہے اور غصہ شیطان سے آتا ہے ۔شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آگ کو ٹھنڈا کیا چیز کرتی ہے؟ پانی ، تو وضو کرلینا چاہیے- پانی پینا چاہیے ،کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں یعنی اپنی پوزیشن کو تبدیل کریں، کمرے میں ہیں تو باہر باہر سے اندر چلے جائیں -کچھ اور کام کرنا شروع کر دیا- کہ ذہن سے وہ چیز تھوڑی ہٹ جائے -کیونکہ جب غصے میں ہوتے ہیں- تو زیادہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں- اگر بات کرنی ہے -تھوڑا سا غصہ ٹل جائے یا بات سمجھانی بھی ہے -دوسرے بندے کو۔ توبعد میں وہ سمجھنے کی سوچنے کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ اور بات سنبھل جاتی ہے۔ اور اگر اسی وقت سمجھانا چاہتے ہیں- اسی وقت جواب دینا چاہتے ہیں -تو یوں ہی ہے کہ جلتی پر تیل چھڑکنا۔ اور یہ بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالی سے اپنی جو بھی خرابیاں ہیں خامیاں ہیں ان پر قابو پانے کے لئے اللہ کی پناہ میں آئیں ،اور دعائیں بھی مانگا کریں ۔

آیت 137: قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ

ترجمہ: تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ اُن لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات کو) جھٹلایا

بہت سے ایسی قومیں جو ہیں وہ تم سے پہلے گزر گئیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہو۔جھٹلانے والوں کا جنہوں نے اللہ کو جھٹلایا اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا ۔اور قرآن میں متعدد مقامات پر بتایا گیا -قوم عاد ، قوم ثمود، قوم نوح ، اصحاب مدین ،اصحاب الحجر، قوم سبا وغیرہ اور بہت جگہ افراد کے نام ملتے ہیں۔ فرعون آل فرعون اور اس کو **تذکیر با یام اللہ** کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے-کہ وہ لوگ یا قومیں جنہوں نے انبیاء اور آیاتِ الٰہی کو جب جھٹلایا تو پھر ان پر عذاب آیا ۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ** کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو کہ کوئی قوم جب نافرمانی کی حد کر دیتی ہے- گناہوں میں ڈوب جاتی ہے -تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر ایسا عذاب نازل کرتا ہے کہ اس کو مٹا دیتا ہے- اس کو درہم برہم کر دیتا ہے- یہ اللہ کی سنت ہے جو پوری ہو کر رہتی ہے - **قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ** تو کیا کرنا چاہیئے -مسلمانوں تم احتیاط برتو- اس معاملے میں زیادتی نہ کرو ۔

آیت 138: هَـٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

ترجمہ: یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں اُن کے لیے ہدایت اور نصیحت۔

لوگوں کے لئے ایک اور صاف تنبیہ ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہوں- ان کے لئے ہدایت ہے اور نصیحت ہے کہ اللہ رب العزت کو وہ لوگ پسند ہیں -جو کہ اللہ کی باتوں سے اور قرآن سے واقعات سے ہدایت حاصل کریں۔ لوگوں کے لئے واضح ہدایت بیان ہے **وَهُدًى** ہدایت ہے۔ اور ڈرنے والوں کے لئے اس میں نصیحت ہے - جو ڈرتے ہیں وہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔تو غزوہ احد کا ذکر ہوا اور اس کے درمیان میں اللہ کی رضا جنّت مغفرت کا ذکر آیا اور متقین کے اوصاف کا۔ کیوں ؟کردار کی کمی تھی- کردار کی کمزوری تھی۔ تعداد کی کمی نہیں کردار کی کمی تھی ،جس سے مسلمانوں کی جیتی ہوئ جو جنگ تھی -وہ شکست میں تبدیل ہوتی ہوئ نظر آنے لگی-تو اللہ تعالی نے غزوہ احد

پر تبصرہ کرتے کرتے ان چیزوں پر بندھ باندھنا ضروری سمجھا، کہ اپنے کردار میں پختگی پیدا کرو مال کی محبت میں مبتلا مت ہو۔ سود کا ذکر کیا اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر چالیس لوگ درے کو نہ چھوڑتے تو جنگ کا پانسہ نہ پلٹتا۔ تو ہر حالت میں اطاعت کرنی چاہئیے ۔اور اچھے اوصاف کو اپنانا چاہئیے ۔اور باقی جو قومیں ہیں ۔ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت نہیں کی تھی۔ لہٰذا تم اللہ اور اللہ کے رسول اور جنّت کی فکر کرو ۔

آیت 139 : وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ترجمہ: دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

اب شرط کیا ہے ۔ یہ نہیں کہا کہ تعداد زیادہ ہو جائے گی ۔اسلحہ زیادہ ہوگا گھوڑے زیادہ ہوں گے نہیں، تو اصل چیز جس پر یہاں توجہ دلائی گئی ہے وہ کیا ہے کہ انسان ہو مومن ہو ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔کہ اگر تم مومن ہو ۔تو پھر تم غالب رہو گے۔ کہ مسلمان جو غزوہ احد میں ایک دفعہ شکست کھا کر مایوسی کا شکار ہو رہے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لئے قاعدہ کلیہ بتا رہے ہیں کہ اگر پھر واقعی تم مومن ہو پھر غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کیا کرو؟ صبر کرو،توکل کرو تو اللہ تم کو ضرور غالب کرے گا ۔
حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا! کہ ایک زمانہ آئے گا۔ تم سیلاب کے خس و خاشاک کے مانند ہو جاؤگے۔ یعنی سیلاب میں جو تنکے بہتے ہیں اس طرح ہو جاؤگے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہوگی ۔آپ نے فرمایا تمہارے اندر وہن پیدا ہو جائے گا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہن کیا چیز ہے آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔
تو یہ حدیث سے بھی کیا پتا چلتا ہے ۔کہ عزم و حوصلہ اور عمل اور ارادہ کی پستی جو دنیا اور دنیا کی زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے پیداہوتی ہے۔ جب انسان دنیا کی زندگی سے محبت کرتا ہے اور موت سے ڈرنے لگتا ہے تو اس کے ارادوں میں کمزوری آجاتی ہے۔ انسان کو راہِ حق میں محنت سے روکتی ہے ۔ جہاد سے روکتی ہے ۔تو یہ وہن ہے، تو یہاں پہ بھی بتایا گیا کہ تم مرعوب کیوں ہوئے تم کمزور کیوں ہوئے ؟کہ تم میں وہن پیدا ہو گیا تھا ۔تم میں دنیا کی محبت غالب آگئی تھی۔

آیت 140-: إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ ٱلْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُۥ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ ٱلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ

ترجمہ: اِس وقت اگر تمھیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت ا س لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

141 : وَلِيُمَحِّصَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَمْحَقَ ٱلْكَـٰفِرِينَ

ترجمہ: اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔

اگر تمہیں گہرا زخم لگا ہے یا تمہیں چوٹ لگی ہے۔ تو اس سے پہلے چوٹ تو تمہاری جو دوسری قوم ہے - اس کو بھی لگ چکی ہے تو وہ چوٹ کیا تھی؟ غزوہ بدر میں کافروں کو بہت سخت چوٹ پڑی تھی- ان کے جو لوگ مارے بھی گئے ،اور بڑے بڑے ان کے سردار میدانِ جنگ میں ڈھیر ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت کافروں کے 70 سردار قتل ہوئے 70 گرفتار ہوئے اور غزوہ احد میں 70 مسلمان شہید ہوئے لیکن مسلمانوں کا کوئی گرفتار تو نہیں ہوا - اگر آج تمہیں چوٹ لگی ہے - تو اس سے پہلے ایسے ہی چوٹ تو ان کو بھی لگ چکی تھی ۔تو یہاں پر کیا بتایا جا رہا ہے؟ **وَتِلْكَ ٱلْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ ٱلنَّاسِ** یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں - فتح اور شکست کے دن تو ہم لوگوں کے درمیان پھیراتے رہتے ہیں۔ جیسے ایک ڈھول ہوتا ہے پانی کا کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس ،فتح کبھی کسی کو ہوتی ہے کبھی کسی کو ہوتی ہے کبھی کسی کو شکست ہوتی ہے کبھی کسی کو۔ یہ وہی والی بات ہے کسی کو کامرانی ملے اور کسی کو ناکامی ملے، کسی کو خوشحالی ملے اور کسی کو تنگدستی ملے ،یہ تو لوگوں کو پیش آتی رہتی ہیں -وقتی چیزیں ہوتی ہیں- یہ اور اس پر بد دل نہیں ہونا چاہیے- میدانِ بدر میں کافروں کو اتنی سخت شکست ہوئی- لیکن دیکھو پھر وہ غزوہ احد میں آگئے- وہ تو دل شکستہ نہیں ہوئے -تو اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتےہیں- کہ یہ ایام میں لوگوں کے درمیان اس لئے پھیراتا ہوں۔ **وَلِيَعْلَمَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ** تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں ۔اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا ،جو واقعی راستی کے گواہ ہوں- جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے ہیں -اللہ تعالیٰ انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اور پھر تمہیں ان میں سے کچھ لوگوں کو ان پر گواہ بنانا چاہتا تھا۔ تو یہاں پر جو بات بتائی جاری ہے وہ یہ ہے کہ غزوہ احد کا ہونا اور اس میں جیتی ہوی جنگ کا شکست میں تبدیل ہوتا ہوا نظر آنا، یہ وہ چیز تھی کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے **وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ** اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تمہیں خود پتا چل جائے ،بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا درجہ نصیب ہو جائے کہ ایمان کون لایا ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی چھانٹ لینا چاہتا تھا -جو واقعی راستی کے گواہ ہوں- یعنی چھانٹ کر شہادت ان کو دی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا تھا -کہ کون لوگ ہیں جو کہ اللہ کے راستے میں سچے ہیں۔ تو آزمائش کس لیے آتی ہیں انسان کو پرکھنے کے لیے اس کو کندن بنانے کے لیے اس کو سونا بنانے کے لیے- تو کسی کو شہید کا ٹائٹل دے دیا جائے- کسی کو شہادت کا مرتبہ دے دیا جائے- مسابقت کا جذبہ پیدا کرنا، ان کے اندر جو الائشیں ہیں ان کو ہٹا دینا۔ اللہ تعالیٰ فرماتاہے- کہ اس سرفرازی کے لیے یہ کام کیا گیا۔

آیت 142: أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَـٰهَدُوا۟ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ ٱلصَّـٰبِرِينَ

ترجمہ: یا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ، مسلمانوں کے درمیان رہیں اور بددلی پھیلاتے رہیں۔ بعض لوگ فتنہ پرور ہوتے ہیں۔ جہاں یہ جس جماعت یا جس گھر میں ہوں گے - ٹوہ لگا کے لڑائی جھگڑے کروائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت جب ان کو ہٹا دیتے ہیں -تو لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیوں نہیں ہیں-تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی میں بہتری ہے- کہ وہ شخص چلا گیا۔ جیسے میر جعفر ، میر صادق عبداللہ بن ابی کا کردار کرنے والے ہر دور میں رہے۔ افغانستان کی جنگ ہو یا پھر فلسطین کی یا پھر جنگ آزادی 1957 یا پھر 1971 ہو پاکستان میں ہوئی انڈیا کے ساتھ تو ان سب میں ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں نے میدان محاذ پر شکست کھائی -منافق تھے جو بیچ میں آئے اور مسلمانوں کا ایک بازو ان سے الگ کر دیا۔ مشرقی پاکستان بن گیا۔ اللہ تعالیٰ ایک طرف مومنوں کو اونچے درجے دے اور دوسری طرف جو کافر ہیں ان کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے چنانچہ غزوۂ خندق میں بھی کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے- پھر ان کے اندر ہمت نہیں تھی کہ مسلمانوں کے سامنے آتے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ جَـٰهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ ٱلصَّـٰبِرِينَ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں جنّت میں چلے جاؤ گے- حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں- جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں ۔

تو اب اللہ تعالیٰ جو ہے یہاں پر ایک اور اہم نقطہ بتا رہے ہیں ،کہ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے-کہ یوں ہی ان کا جنّت میں داخلہ ہو جائے گا۔ اابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کتنوں نے اپنی جانوں کو اللہ کے راستے میں لڑایا ہے -اور اس کی خاطر صبر کیا ہے۔ تو یہاں پر بھی دراصل اگر آپ غور کریں گی تو یہ بات سمجھ آ رہی ہے- کہ جنّت کے جو اعلی درجات اور اس کے جو مقامات ہیں- اور جو رب کی رضا ہے- جہاں تک انسان کو اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتے ہیں- اور اپنے پسندیدہ بندوں کو تو وہ یوں ہی نہی مل جائیں گے - بیٹھے بٹھائے آرام سے جنّت کے اعلی درجوں میں پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،میں تمہارا امتحان لوں گا اور یہ امتحان کسی کا بیماری کی شکل میں ہو رہا ہے-کہ سخت بیماری آ گئی- بلڈ پریشر ہے- شوگرکینسر ہےاسی طرح نوکری کا نہ ہونا، اولاد کا نہ ہونا ،اور اولاد ہے نیک نہیں ہے والدین نیک ہیں، اور ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں یا یہ کہ آپ نیک ہیں اچھے ہیں دوسرے آپ کے ساتھ زیادتیاں کرتے ہیں، اور آپ صبر کرتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کب تک صبر کریں اس کی حد بتائی جائے یا کب تک ہمیں نیکی کرنی چاہئے ،کب تک ہم دوسروں کی باتوں کا جواب نہ دیں۔ اس کے لیے کوئی حدود نہیں ہیں کرتے رہو کرتے رہو کرتے رہو۔ آپ سوچیں کہ غزوہ احد اور اتنی شدید کہ کئی لوگ اس میں شہید ہوئے کئی زخمی ہوئے کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے -کہ بس یوہی جنّت میں چلے جاؤگے -حالانکہ ابھی اللہ نے تو دیکھا ہی نہیں -کہ تم میں سے کون لوگ ہیں- جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

حدیث: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں -کہ مصائب سے گھبرا کر انہوں نے چاہا -کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں کہ جس وقت کی آپ ﷺ بشارت سناتے ہیں - وہ آخر آئے گا کب، کہ اچھے دن مسلمانوں پر کب آئیں گے، کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا بڑے سخت دن تھے، اس وقت آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں ایک چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے، اس زمانے میں ہم مشرک لوگوں سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے تھے، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ان مشرکوں کے لیے بددعا کیوں نہیں کرتے، یہ سنتے ہی آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا - فرمایا تم سے پہلے ایسےلوگ گزر چکے- جن کے پٹھوں میں ہڈیوں تک لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں مگر وہ اپنے سچے دین سے پھرتے نہیں تھے- اللہ ایک دن اسلام کوضرورپھیلائے گا - مگر تم لوگ جلدی مچاتے ہو - تو

یہاں یہ بھی خباب رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا پیغام دیا **بخاری کی روایت ہے** ۔
آج کے دور میں مسلمان پریشان ہیں فلسطین ہے افغانستان ہے کشمیر ہے امریکہ ہے کینیڈا ہے ایران ہے شام ہے پوری دنیا کے مسلمان بحثیت مجموعی انفرادی اور اجتماعی طور پر بہت مایوسی پریشانی میں ہیں ۔وہ سوچتے ہیں کہ کب دن بدلیں گے کب مسلمانوں کو لوگ عزت کی نظر سے دیکھیں گے ،کہیں بھی کوئی غلط کام ہوا کہیں بھی کوئی دھماکہ ہوا کہیں بھی کوئی غلط کام ہوا تو فورا نگاہیں اور نظریں مسلمانوں پر چلی جاتی ہیں۔ اور مسلمان خائف زیادہ رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتےہیں **وَيَعْلَمَ ٱلصَّـٰبِرِينَ** میں تو صبر کرنے والوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

آیت 143: وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ bhiٱلْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ

ترجمہ: تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اُس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی، لو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی اور تم نے اُسے آنکھوں دیکھ لیا۔

یہ اشارہ شہادت پانے والوں کی طرف ہے۔ جن کے اصرار سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے جب مشورہ کیا تھا۔کہ جنگ مدینہ کے اندر کی جائے یا باہر کی جائے اور بتایا تھا کہ میری رائے یہ ہے ۔مدینہ کے اندر رہ کر کی جائے تو بعض لوگوں کا یہ اصرار تھا جنگ مدینہ کے باہر کی جائے اور اس میں کئی صحابہ تھے۔ جو یہ چاہتے تھے کہ جنگ باہر ہو اور ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی سب سے آگے آگے تھے ۔جو گرم جوش لوگوں میں سر فہرست تھے۔ غزوہ بدر میں بھی وہ اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے ۔اور یہاں بھی انہوں نے فرمایا۔کہ اللہ کے نبیﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپﷺ پر کتاب نازل کی میں تو کوئی غذا نہ چکھوں گا ۔جب تک کہ مدینہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ نہ کر لو ۔
پھر اسی طرح اور بھی صحابہ تھے۔
بعض صحابہ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اور اللہ سے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے ۔اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ ﷺ دشمن کے مد مقابل ہی تشریف لے چلیئے پھر وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم ڈر گئے ہیں ۔
پھر اسی طرح سے ایک صحابی تھے ۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ حضرت انس بن مالک کے چچا تھے۔ غزرہ بدر میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے ۔اور بہرحال جن لوگوں نے تمنا کی تھی کہ باہر نکلا جائے پھر انہوں نے اپنے سروں کے نظرانے پیش بھی کیے ہیں۔
حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ انہوں نے دیکھا لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں ۔کس وقت یہ دیکھا ۔جب ان کو یہ پتہ چلا کہ پیارے رسول ﷺ شہید کر دیے گئے تو مسلمانوں کو انہوں نے نے پوچھا۔کاہے کا انتظار ہے ۔لوگوں نےجواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ قتل کر دئیے گے ہیں ۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اب اس کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے ۔اسی پر تم بھی جان دے دو۔ اس کے بعد فرمایا۔اے اللہ ان لوگوں نے یعنی مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر میں تیرے حضور معذرت کرتا ہوں ۔اور ان لوگوں نے یعنی مشرکین نے جو کچھ کیا ہے۔ اس سے برات اختیار کرتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا ابو عمر

کہاں جا رہے ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آہا جنّت کی خوشبو کا کیا کہنا -اے سعد میں اسے احد کے دامن میں محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آگے بڑھے اور مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جب جنگ کا خاتمہ ہوا- تو ان کو پہچانا نہیں جا سکتا تھا -حتیٰ کہ ان کی بہن نے محض انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔ ان کو نیزے تلوار اور تیر کے 80 سے زیادہ زخم آئے تھے-

اللہ تعالیٰ فرماتےہیں کہ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے۔ مگر یہ اس وقت کی بات تھی-جب موت سامنے نہ آئی تھی۔ لو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی -اور تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا۔

تو یہ آیات بتاتی ہیں کہ راہ حق میں آزمائشیں ہیں -اور کبھی کوئی آزمائش آنے سے پہلے انسان جوش و خروش سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ تو بعض وقت وہ باتیں زبانی جمع خرچ کی ہوتی ہیں- تو سچے عاشقوں اور جھوٹے عاشق اس کا پتہ کرنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ موت سے رو برو ہو کر لڑا جائے، یعنی آزمائشوں کے موقع پر صبر کیا جائے ۔تاکہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو سکے۔ تو اصل بات کیا ہے -کہ منہ سے آزمائشیں مانگنی نہیں چاہیے۔ انسان بہت کمزور ہے اس کو آزمائشوں کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے ۔ جب آزمائش میں دیکھتا تو کہتا ہے ایسی بھی کیا بات ہے وہ آخر اتنا صبر کیوں نہیں کرتے، لیکن مانگنی نہیں چاہیے- آ جائے تو پھر ثابت قدمی دکھانی چاہیے- اللہ تعالی سے عافیت مانگنی چاہیے اللہ تعالی ہم سب کو عمل کی بہترین توفیق عطا کرے آمین

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ، نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ